اُردو 5

کی پانچویں کتاب



سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ



اُردُو کی پانچوِیں کِتاب

پانچوِیں جماعت کے لیے

سِندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

ناشِر

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ۔
منظور شدہ: وزارتِ تعلیم (شعبۂ نصاب) اسلام آباد، بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارسِ صوبۂ سندھ
قومی کمیٹی برائے جائزۂ کتبِ نصاب کی تصحیح شدہ

نگرانِ نظرِ ثانی و تدوینِ نو: خالد محمود سومرو
چیئرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ۔

مصنف: پروفیسر عنایت علی خاں ٹونکی

مدیران: ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی
پروفیسر عنایت علی خاں ٹونکی
مسز پروین کاظمی

نظرِ ثانی و تدوینِ نو: محمد ناظم علی خاں ماتلوی
حامد علی خاں

آرٹسٹ: علی رضا

کوآرڈینیٹر برائے آرٹ اینڈ ڈزائنی: سیّد علی عباس جعفری

کمپیوٹر کمپوزنگ اور لے آؤٹ: اقبال راہی

ڈیزائن اینڈ پروسس: نورانی پروسس کراچی
مطبع: سعد پرنٹرز کراچی

فہرست

پیش لفظ

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جس کا فریضہ درسی کُتب کی تیاری و اشاعت ہے۔ اس کا اوّلین مقصد ایسی درسی کُتب کی تیاری و فراہمی ہے جو نسلِ نو کو شعور و آگہی اور ایسی صلاحیت بخشیں جن کے ذریعے وہ اسلام کے آفاقی نظریات، بھائی چارے، اسلاف کے کارناموں اور اپنے ثقافتی ورثہ و روایات کی پاسداری کرتے ہوئے دورِ جدید کے نت نئے سائنسی، تکنیکی اور معاشرتی تقاضوں کا مقابلہ کرکے کامیاب زندگی گزار سکیں۔

اس اعلیٰ مقصد کی تکمیل کی غرض سے اہلِ علم، ماہرینِ مضامین، مدرسینِ کرام اور مخلص احباب کی ایک ٹیم ہر چار سمت سے حاصل ہونے والی تجاویز کی روشنی میں درسی کُتب کے معیار، جائزے اور ان کی اصلاح کے لیے ہمارے ساتھ پیہم مصروف عمل ہے۔

ہمارے ماہرین اور اشاعتی عملے کے لیے اپنے مطلوبہ مقاصد کا حُصُول اُسی صورت میں ممکن ہے کہ ان کُتب سے اساتذہ کرام اور طلبہ و طالبات کماحقہٗ استفادہ کریں۔ علاوہ ازیں ان کی تجاویز و آراء ان کُتب کے معیار کو مزید بہتر بنانے میں ہمارے لیے مُمِد و مُعاون ثابت ہوں گی۔

خالد محمود سومرو

چیئرمین

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو، سندھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
(شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔)

حمد

حمدِ جنابِ باری — رکھو زباں پہ جاری
وہ خالقِ جہاں ہے — وہ رازقِ جہاں ہے
حاکم ہے بحر و بر کا — مالک ہے خشک و تر کا
فرشِ زمیں اسی کا — عرشِ بریں اسی کا
از ماہ تا بہ ماہی — ہے اُس کی بادشاہی
ہر جا ظہور اُس کا — ہر شے میں نور اُس کا
ہر چیز میں نہاں ہے — ہر چیز سے عیاں ہے
ممکن نہیں کسی سے — تعریف اُس کی لکھے
توصیف اُس خدا کی
کیا لکھے مشتِ خاکی

علامہ راشد الخیری

مشق

۱۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؟
۲۔ "حمد جناب باری" سے شاعر کی کیا مُراد ہے؟
۳۔ بحر و بر کا مالک کون ہے؟
۴۔ اس شعر کا مطلب اپنی کاپی میں لکھیے:

از ماہ تا بہ ماہی — ہے اس کی بادشاہی

۵۔ درجِ ذیل الفاظ کے معنی لُغت میں تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے:
حمد - خالق - رازق - بحر و بر - عرشِ بریں - نہاں - عیاں - مُشتِ خاکی۔
۶۔ ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے: ظہور - نور - شے - مالک - حاکم۔
۷۔ اس حمد کو زبانی یاد کیجیے:
۸۔ بچوں کے کسی رسالے سے کوئی اور حمد اپنی کاپی میں نقل کیجیے۔

قافیہ:

نظم میں ملتی جلتی آواز والے الفاظ کو "قافیہ" کہتے ہیں۔ قافیہ کی جمع قوافی ہے۔ اس نظم کے پہلے شعر کے قافیے "باری" اور "جاری" ہیں۔ دوسرے کے "خالق" اور "رازق" اور تیسرے کے "بَر" اور "تَر"۔ باقی اَشعار کے قافیے تلاش کر کے لکھیے۔

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم مَدِینے میں

مکّے میں کُفّار نے اسلام قبول کرنے کی بجائے ہمارے پیارے
نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور مسلمانوں کو بہت ستانا شروع کردیا
اور ان کی زندگی اَجیرَن کر دی۔ یہ دیکھ کر رسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم
نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔ پھر خود بھی اللّٰہ کے
حکم سے حضرت ابوبکر صدّیق رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنْہُ کے ہمراہ مکّے

سے ہجرت فرما کر یَثرِب تشریف لے گئے۔ حُضُور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی آمد پر یَثرِب والے اس قدر خوش تھے کہ اُنھوں نے اس واقعے کے بعد سے اپنے شہر کو یَثرِب کی بجائے "مَدِینَۃُ النَّبِی" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہر کہنا شروع کردیا۔ یہی لفظ آگے چل کر "مَدِینہ" رہ گیا۔ حُضُور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو بھی مدینے والوں سے اتنی مَحبّت تھی کہ فتحِ مکّہ کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّے میں قیام نہ فرمایا بلکہ ساری زندگی مدینے ہی میں مُقیم رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ مُبارک بھی وہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ شریف مسلمانوں کا ایک اہم مُقدّس شہر ہے۔

مدینے تشریف لانے کے بعد نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے جو پہلا کام کیا وہ ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ یہ مسجد آج بھی موجود ہے اور "مَسجِدِ نَبَوی" کے نام سے مشہور ہے۔ مَسجِدِ نَبَوی اُس زمانے میں محض نماز پڑھنے ہی کی جگہ نہ تھی، بلکہ صحابہ کرامؓ یہاں پر رسُول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے دین کی باتیں بھی سیکھتے

اور بہت سے مسائل بھی مسجد ہی میں حل کرتے۔

مکّے سے آنے والے مسلمان اپنا سب کچھ مکّے ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ اس لیے رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی "اَنصاری" یعنی مدینے میں رہنے والے مسلمان کا بھائی بنادیا۔ یہ بھائی چارا چوں کہ خود رَسُولِ اَکرَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے قائم فرمایا تھا، لہٰذا مُہاجِرین اور اَنصار آپس میں سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر محبت کرنے لگے۔ انصار نے مہاجرین سے دین کی باتیں سیکھیں اور مہاجرین نے انصار کی مدد سے اپنا کاروبار وغیرہ شروع کیا۔ اس طرح اس بھائی چارے سے دونوں کو فائدہ پہنچا۔

رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے مدینے تشریف لانے سے قبل یہاں یہودیوں کا زور تھا۔ وہ اس شہر میں اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی تشریف آوری سے اُن کا یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ اُدھر کُفارِ مکّہ بھی یہودیوں اور مُنافقوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ مُٹھی بھر بے سروسامان مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے کُفار کا بھی مقابلہ کیا اور یہودیوں کو بھی اُن کی سازشوں کی سزادی۔

رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے مدینے میں اسلامی نظام قائم کیا اور جیسے جیسے مدینے کے رہنے والے اسلام کے اُصولوں پر عمل کرتے گئے اُن کی حالت سُدھرتی گئی۔ یہاں تک کہ چند ہی سال میں اُن کی کایاپلٹ گئی۔

اسلام سے قبل مدینہ ایک چھوٹا اور معمولی سا گاؤں تھا۔ لیکن اسلام کی برکت سے اس شہر کی قسمت جاگ اُٹھی۔ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی تعلیمات پر عمل کرکے اہل مدینہ اپنی نیکی، سچائی، دیانت داری اور بہادری کی وجہ سے سارے عرب میں مشہور ہوگئے۔

جب آس پاس کے علاقوں کے لوگوں نے اسلام کی خوبیوں اور اچھائیوں کو دیکھا تو وہ بھی مسلمان ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کی روشنی عَرب سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئی۔

مشق

۱۔ رسولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے مکّہ کیوں چھوڑا؟

۲۔ یَثرِب کا نام مَدینہ کس طرح پڑا؟

۳۔ مدینے پہنچ کر رسولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے پہلا کام کیا کیا؟

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قائم کیے ہوئے بھائی چارے سے مہاجرین اور انصار کو کیا فائدے حاصل ہوئے؟

۵۔ مَسجِدِ نَبَوی کی کیا اَہمیّت ہے؟

۶۔ ان الفاظ اور محاورات کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے:

ہجرت - [illegible] - مسلسل - بھائی چارہ - آرزو - مٹّھی بھر - دیکھتے ہی دیکھتے - بے سروسامان -

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ اور محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ہجرت - [illegible] - بھائی چارہ - مٹّھی بھر - کایا پلٹ جانا - دیانت داری - خوبیوں - شہرت - دیکھتے ہی دیکھتے -

۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرنے کا بہترین طریقہ کون سا ہے؟ اپنی جماعت کے سامنے بیان کیجیے۔

حضرت خدیجۃُ الکُبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مکّے کے مشہور تاجر خُوَیلد کی صاحبزادی خدیجہؓ کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو دیانت داری سے ان کا سامان تجارت دوسرے ملکوں میں بیچ آیا کرے۔ وہ خود ایک نہایت نیک اور ایمان دار خاتون تھیں اس لیے اپنا مددگار بھی ایسے ہی شخص کو بنانا چاہتی تھیں۔

اُنھیں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور دیانت داری کا جب علم ہوا تو اُنھوں نے رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو بُلوایا اور درخواست کی کہ میرا سامانِ تجارت دوسرے ملکوں میں بیچ آیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ درخواست منظور فرمالی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ خُوَیلد کی یہ بیٹی جن کو لوگ ان کی اچھی عادتوں کے سبب طاہِرہ کہتے ہیں، شرافت اور غریبوں کی ہمدردی میں پورے مکّے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں اور شوہر کے مرنے کے بعد کسی ایسے مددگار کی تلاش میں ہیں جو اُن کے تجارتی کاروبار کی دیکھ بھال کر سکے۔ حضرت خدیجہؓ کو رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی شریفانہ عادات بہت پسند آئیں۔ اُنھوں نے اپنے ایک غلام کو حُضُور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ہمراہ تجارتی سفر پر جانے کی ہدایت کی اور چلتے ہوئے اُس سے کہ دیا کہ سفر اور تجارتی لین دین کے دوران جو کچھ تم دیکھو اس کی تفصیل مجھے بتانا۔

تجارتی قافلہ ملک شام جانے کے لیے روانہ ہوا۔ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا وہ غلام بھی گیا۔ اس نے دیکھا کہ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ انتہائی خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ ہر ایک سے پیار محبت سے بات کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر کسی نے حُضُور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے سخت لہجے میں بات کی تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نرمی سے دیا۔ غلام نے یہ بھی دیکھا کہ تجارتی لین دین میں رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نہایت ایمان داری سے کام لیتے ہیں۔ نہ اپنے مال کی بے جا تعریف کر کے مہنگا بیچتے ہیں اور نہ دوسرے کے مال کو گھٹیا بتا کر سستا خریدتے ہیں۔ نہ خریدتے وقت زیادہ لیتے ہیں، نہ فروخت کرتے وقت کم دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب غلام کو اس بات پر ہوا کہ رَسُولُ اللہُ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم خود اس کے ساتھ بھائیوں جیسا سُلوک کرتے ہیں۔

تجارتی قافلہ لوٹ کر مکّے آیا تو کثیر منافعے کی خوش خبری کے ساتھ ساتھ غلام نے حضرت خدیجہؓ کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین اخلاق اور دیانت داری کا حال سنایا۔

حضرت خدیجہؓ کو پہلی ہی ملاقات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت کا اندازہ ہو گیا تھا، اب غلام کے بیان سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ لہٰذا حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کے لیے پیغام قبول فرمالیا اور اس طرح حضرت خدیجہؓ کا نکاح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو گیا۔ اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ چالیس سال کی تھیں۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باقی زندگی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی خدمت کرتے گزاری۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ بے حد عزیز تھیں۔ جب تک وہ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حالاں کہ اس زمانے میں عرب میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج تھا۔

حضرت خدیجہؓ کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد غمگین ہوئے۔ آپ ﷺ زندگی بھر ان کا ذکر عزت اور محبت سے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ قربانی کا گوشت یا اس قسم کی دوسری چیزیں تقسیم فرماتے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی سہیلیوں کو ضرور حصہ بھیجتے۔ آپ ﷺ امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی بہن حضرت ہالہؓ سے بھی بڑی شفقت کا برتاؤ فرماتے۔

ایک بار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے خدیجہؓ سے اچھی، بہتر اور مہربان بیوی نہیں ملی۔ خدیجہؓ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں اور انھوں نے اس وقت میری نبوّت کی گواہی دی جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور میرا مذاق اڑاتے تھے۔ انھوں نے اس وقت میری مدد کی جب مجھے سہارے کی ضرورت تھی۔ جب میرے پاس کچھ نہ تھا تو انھوں نے مال و دولت سے میری مدد کی۔ اس کے علاوہ خدیجہؓ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کئی اولادیں عطا کیں۔

ایک اور موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "خدیجہؓ امت کی افضل ترین خاتون ہیں۔"

مشق

۱- حضرت خدیجہؓ نے اپنا شریک تجارت بنانے کے لیے رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو کیوں منتخب کیا تھا؟

۲- غلام نے سفرِ تجارت سے واپسی پر رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے بارے میں حضرت خدیجہؓ کو کیا کیا باتیں بتائیں؟

۳- نکاح کے وقت رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور اُمُّ المُؤمنین حضرت خدیجہؓ کی عمریں کیا تھیں؟

۴- نیچے دیے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

سامانِ تجارت - اَفضَل ترِین - لَین دَین - کَثیر - شَفقَت۔

۵- ان علامتوں کا مطلب اپنے اُستاد سے معلوم کر کے لکھیے:

ص - ع - رضہ - رحہ



نعت

ہم دِل سے ہیں تم پر فِدا حضرت محمّد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
تم نے خُدا کے حُکم سے ڈنکا بجایا دِین کا
پھیلا کے نُور اسلام کا جگ میں اُجالا کردیا
ایمان کا ، اِنصاف کا پیغام دُنیا کو دیا
دُنیا میں ہم کیا کچھ کریں کیا ہے بھلا ، کیا ہے بُرا
اَوروں کا ہم پر حق ہے کیا کیا حق ہے اپنی ذات کا
اور کیا ہے حق اللہ کا یہ سب ہمیں سمجھا دیا
ہر بات میں سَو خُوبیاں ہر قول حِکمت سے بھرا

آؤ پڑھیں اِس نام پر
صَلِّ عَلیٰ ، صَلِّ عَلیٰ

مشق

اللہ تعالیٰ کی تعریف کو حمد اور رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی تعریف کو نعت کہتے ہیں۔

۱- اس نظم میں شاعر نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے کیے ہوئے کون کون سے کام بتائے ہیں؟

۲- ہم پر کس کس کے حُقوق ہیں؟

۳- رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا نام سُن کر ہمیں کیا الفاظ ادا کرنے چاہییں؟

۴- ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے: [illegible]

۵- پانچویں اور نویں شعر کے قافیے لکھیے:

۶- اپنے پسندیدہ اشعار لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کاپی بنائیے۔ اور اس میں اپنے پسندیدہ شعر لکھیے (اس کاپی کو "بیاض" کہتے ہیں۔)

مشکلات کے باوجود نیکی اختیار کرو

دو دوست

دریائے سندھ کے کنارے ایک گاؤں میں دو لڑکے حنیف اور سائیں ڈنو رہتے تھے۔ حنیف کسان کا بیٹا تھا اور سائیں ڈنو مچھیرے کا۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔

ایک رات گاؤں والے بے خبر سو رہے تھے کہ دریا میں سیلاب آگیا۔ سیلاب کا پانی گاؤں کے اندر آپہنچا۔ گاؤں والوں نے بڑی مشکل سے دریا کے بند تک پہنچ کر جان بچائی۔ اس رات سائیں ڈنو اپنے باپ کے ہمراہ دریا پر گیا ہوا تھا اور رات کو دونوں کشتی ہی میں سو گئے۔ سائیں ڈنو کے باپ کی آنکھ اس وقت کھلی جب سیلاب زور پکڑ چکا تھا۔ وہ ایسا بدحواس ہو کر گاؤں کی طرف بھاگا کہ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس کا بیٹا سائیں ڈنو کشتی میں سویا ہوا ہے۔ وہ جب سیلاب کے پانی میں سے گزر کر گاؤں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے سب گھر والے بند کی طرف چلے گئے ہیں۔ وہ بھی اُدھر چل دیا۔ وہاں گاؤں کے بہت سے لوگ موجود تھے۔ سائیں ڈنو کے دوست نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ چاچا! سائیں ڈنو کہاں ہے؟ اب اسے یاد آیا کہ وہ اپنے بیٹے کو کشتی ہی میں سوتا چھوڑ آیا ہے۔ وہ فوراً دریا کی طرف جانے کو مڑا، مگر گاؤں والوں نے اسے زبردستی پکڑ کر روک لیا اور کہا: دیوانے ہوئے ہو، بیٹے کے ساتھ خود بھی موت کے منہ میں جانا چاہتے ہو؟

حنیف کی جھونپڑی چوں کہ بند کے قریب تھی اس لیے اس کے گھر والے گھر کا تھوڑا بہت سامان ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اِتّفاق سے اس سامان میں وہ تونبوں کی جوڑی بھی تھی جو تیرنا سیکھنے کے لیے

اسے سائیں ڈنو نے دی تھی۔ جیسے ہی حنیف کی نظر تونبوں پر پڑی اُس کے دل میں خیال آیا اور وہ کسی سے کچھ کہے بغیر تونبے کمر سے باندھ سیلاب کے پانی میں کود گیا۔ وہ تیرتا رہا، تیرتا رہا، یہاں تک کہ پانی کے تھپیڑوں کا مُقابلہ کرتے کرتے تھک کر چُور ہو گیا لیکن دوست کی زندگی بچانے کا خیال اُسے مسلسل آگے بڑھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح گاؤں کے درختوں کے قریب پہنچ گیا اور پوری قوت سے چیخنا شروع کیا۔ سائیں ڈنو! سائیں ڈنو... سائیں ڈنو.....! لیکن جواب میں پانی کے شور کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دی۔

حنیف نے دل ہی دل میں گڑگڑا کر دُعا مانگی کہ اے اللہ! میرے دوست کی جان بچا لے۔ اللہ تعالیٰ دُکھی دل کی پکار سنتا ہے۔ اتنے میں کسی نے اُس کا نام لے کر اُسے پکارا۔ یہ سائیں ڈنو تھا جو کچھ دور ایک درخت پر سے اُسے آواز دے رہا تھا۔ حنیف اس درخت تک جانے کے لیے آگے بڑھا مگر دوسرے ہی لمحے سائیں ڈنو نے اُس کی آواز سُنی "سانپ! سائیں ڈنو مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ تم تونبے لے کر بند..... لیکن سائیں ڈنو



مکمل جُملہ سننے سے پہلے ہی اپنے دوست کی جان بچانے کے لیے پانی میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ وہ مچھیرے کا بیٹا ہونے کی وجہ سے حنیف سے بہتر تیر سکتا تھا۔ حنیف تک پہنچ کر اس نے سب سے پہلے اس کا بازو کُہنی کے پاس سے خُوب کس کر رومال سے باندھ دیا۔ پھر اُسے اپنی پیٹھ پر لاد کر بند کی جانب تیرنے لگا۔

صُبح کی روشنی اب پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ اسے دور بند پر لوگ کھڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ لیکن دو تونبے ان دونوں کا بوجھ نہیں سہار سکتے تھے اور سیلاب کی موجیں انھیں بُری طرح اُچھال رہی تھیں۔ تیرتے تیرتے سائیں ڈنو کے ہاتھ پاؤں شَل ہو چکے تھے۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ حنیف بے ہوش ہو چکا ہے۔ خود سائیں ڈنو پر بھی تکان کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی تھی۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک کشتی میں سوار اُن کی طرف آ رہے ہیں۔ اُس نے پوری قُوّت سے اُنھیں آواز دی۔ کشتی والے بڑی مُشکل سے کشتی اُن تک لانے میں کامیاب ہوئے اور جب اُنھیں کھینچ کر کشتی میں ڈالا گیا تو وہ صرف اتنا کہہ سکا کہ 'حنیف کو سانپ نے ڈس لیا ہے' اور پھر خود بھی بے ہوش ہو گیا۔ یہ لوگ جیسے ہی بند پر پہنچے تو لوگوں نے حنیف کو فوراً اسپتال روانہ کر دیا اور سائیں ڈنو کے پیٹ کا پانی نکال کر اُسے آرام سے لٹا دیا۔ دونوں دوستوں کے زندہ بچ جانے پر اُن کے والدین اور سارے گاؤں والوں نے اللہ کا شُکر ادا کیا اور اُن کی دوستی کی بڑی تعریف کی۔

دریا میں سیلاب تو اب بھی آتے رہتے ہیں۔ لیکن گاؤں میں ان کی دوستی کی مثال آج تک دی جاتی ہے۔

مشق

۱۔ حنیف نے اپنی جان کیوں خطرے میں ڈالی؟

۲۔ سائیں ڈنو بند تک کیوں نہ پہنچ سکا؟

۳۔ سیلاب سے کیا کیا نُقصانات ہوتے ہیں؟

۴۔ میرا سب سے اچھا دوست پر دس جُملے لکھیے:

۵۔ سانپ کے ڈسے کا فوری علاج کیا کرنا چاہیے؟ اپنے استاد سے معلوم کر کے لکھیے:

۶۔ حنیف اور سائیں ڈنو خاص نام ہیں۔ ایسے ناموں کو اسمِ معرفہ کہتے ہیں۔ آپ ایسے ہی پانچ اِسمِ مَعرِفَہ کاپی میں لکھیے۔

۷۔ عملی سرگرمیاں:- اخبار سے سیلاب کی تصویر، کاٹ کر البم بنائیے۔

سچل سرمستؒ

درازا، ضلع خیرپور کا ایک گاؤں ہے۔ ایک زمانے میں اس گاؤں کی تین ہستیاں اپنی نیکی اور دین داری کی وجہ سے دُور دُور تک مشہور تھیں۔ ایک صاحب ڈنو درویش اور دو بھائی میاں صلاح الدینؒ اور میاں عبدالحقؒ۔ یہ دونوں بھائی مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عُمر فاروقؓ کی اولاد میں سے تھے۔ اس لیے فاروقی کہلاتے تھے۔

جس طرح بزرگوں میں یہ دونوں بھائی اپنی نیکی کی وجہ سے مشہور تھے، اسی طرح بچوں میں میاں صلاح الدینؒ کا ایک بچہ سچل بہت مشہور تھا۔ اس بچے کا نام عبدالوہاب تھا لیکن لوگ اس کی نیکی اور سچائی کی وجہ سے اُسے سچو، سچل اور سچے ڈنو کہتے تھے۔ سچل کو یہ شہرت اس لیے حاصل ہوئی تھی کہ وہ اپنے والد اور چچا کی نصیحتوں پر عمل کرتا تھا۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے پڑھنے لکھنے اور نیک لوگوں کی صُحبت میں وقت گزارتا تھا۔ اُسے نماز کا بے حد شوق تھا، جہاں اذان ہوئی اور وہ مسجد کی طرف چلا۔ اس چھوٹی سی عُمر میں اُس نے کلامِ پاک بھی حفظ کر لیا تھا۔ یہی خوبیاں تھیں جن کی بنا پر سچل سارے گاؤں کی آنکھ کا تارہ بن گیا تھا۔

سچل ابھی کم سن ہی تھا کہ اس کے والد میاں صلاح الدین فاروقیؒ کا انتقال ہوگیا۔ والد کے انتقال کے بعد سچل اپنے چچا میاں عبدالحق فاروقیؒ کے پاس رہنے لگا۔ میاں صاحب خود اتنے نیک تھے کہ صاحب ڈنو درویش

جیسے بزرگ نے اُنھیں اپنا جانشین مقرّر کردیا تھا۔ ایک بار سچل اور ان کے چچا صاحب ڈنو درویش کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہاں ایک اور بزرگ تشریف رکھتے ہیں۔ یہ بزرگ سندھ کے مشہور صوفی شاعر اور درویش شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ تھے۔ اُنھوں نے سچل کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے صاحب ڈنو درویش سے فرمایا کہ جو ہانڈی ہم نے پکائی ہے اُس کا ڈھکنا یہ بچہ اُتارے گا۔ مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو شاعری کے ذریعے دین کی جانب راغب کرنے کا جو کام ہم نے شروع کیا ہے اُسے یہ بچہ بڑا ہو کر پورا کرے گا۔

شاہ بھٹائیؒ کی سچل کے بارے میں یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے وقت کا بہت بڑا عالِم، شاعر اور مبلغ بنا اور سچل سرمست اور سچل سائیں کے نام سے مشہور ہوا۔

سچل سرمست بڑے ہو کر تنہائی پسند ہو گئے تھے۔ غور و فکر میں مشغول رہتے، نماز پابندی سے پڑھتے اور زیادہ تر وقت اللہ کی عبادت میں گزارتے۔ بڑے بڑے لوگ آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ میر رستم خان تالپور جو اُس زمانے میں خیرپور کے حاکم تھے ان کو اپنا بزرگ مانتے تھے۔ سچل سائیں کا مزار بھی میر رستم خان ہی نے بنوایا تھا۔

سچل سرمستؒ کو سندھی، ہندی، اُردو، فارسی، عربی، پنجابی اور سرائیکی زبانوں پر عبور تھا اور ان سب زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ جتنے شعر اُنھوں نے کہے ہیں، سندھ کے کسی اور شاعر نے نہیں کہے۔ سندھی زبان میں ان کے شعروں کا مجموعہ "سچل فقیر جو رسالو" کے نام سے دو جلدوں میں ہے۔ ان اشعار میں اُنھوں نے محبت، اَمن اور بھائی چارے کا درس دیا ہے۔

آپ کا عرس رمضان شریف میں بڑی عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ دور دور سے لوگ آکر اس میں شریک ہوتے ہیں۔ سچل سرمستؒ کا کلام خاص و عام میں مقبول ہے اور اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہمیشہ مقبول رہے گا۔

مشق

١۔ درازہ کے لوگ سچل کو کیوں پسند کرتے تھے؟

٢۔ سچل میں دین داری کی کیا کیا باتیں تھیں؟

٣۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے سچل سرمستؒ کے بارے میں کیا پیشین گوئی کی تھی؟

٤۔ سچل سرمست نے کس کس زبان میں شعر کہے ہیں؟

٥۔ سچل سرمست کے سندھی اشعار کے مجموعے کا کیا نام ہے؟

٦۔ ان لفظ کے معنی لکھیے اور اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

والد ۔ آنکھ کا تارا ۔ مسرور ہونا ۔ مُسنّد ۔ پیشین گوئی

عَالمگیر اُخُوّت

اسکول کی جماعتوں میں کچھ بچے بڑے قد کے ہوتے ہیں، کچھ چھوٹے قد کے، کچھ گورے ہوتے ہیں کچھ کالے۔ کچھ ایک زبان بولنے والے ہوتے ہیں کچھ دوسری۔ کسی کو کوئی چیز پسند ہوتی ہے تو کسی کو کچھ۔ اسی



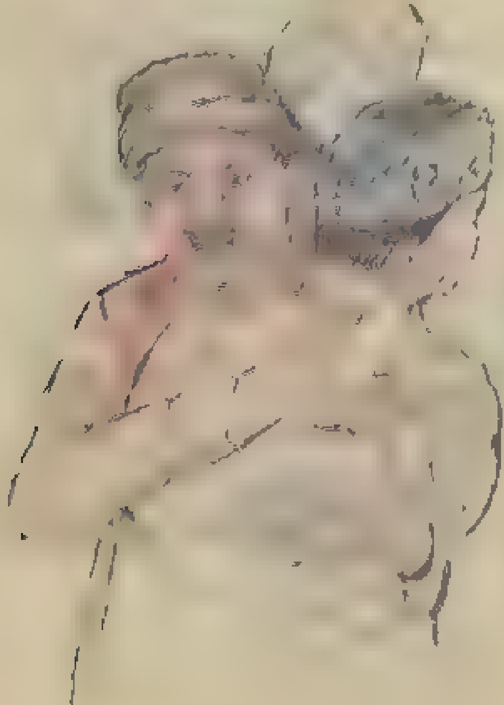
طرح یہ بچے اپنے اپنے گھروں میں بھی مختلف لباس پہنتے ہیں۔ کوئی کسی قسم کا تو کوئی کسی قسم کا لیکن اس اختلاف کے باوجود سب ایک دوسرے کو اپنا ہم جماعت سمجھ کر آپس میں محبت کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔

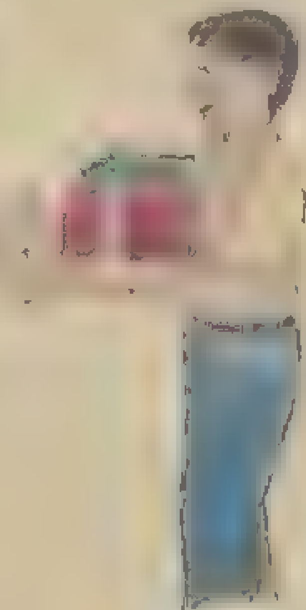
ایک چھوٹی سی جماعت میں جب اتنے مختلف بچے ہوتے ہیں تو سوچنے کی بات ہے اس وسیع دنیا میں تو اور بھی مختلف رنگ و روپ کے انسان ہوں گے۔ کوئی کالا، کوئی گورا، کوئی ایک زبان بولنے والا کوئی دوسری۔ کوئی ایک طرح کا لباس پہننے والا، کوئی دوسری طرح کا، کوئی کسی مذہب کا ماننے والا، کوئی کسی کا، مگر ان سب اختلافات کے باوجود سب انسان ایک ہی اللہ کے بندے اور ایک ہی انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ بس اسی رشتے کی وجہ سے ساری دُنیا کے انسانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے بھائیوں کی طرح محبت کرنی چاہیے اور اسی محبت کا نام عالمگیر اُخوت ہے۔

دُنیا بھر کے انسانوں کو اس عالمگیر اُخوّت کا پیغام اور تعلیم، اللہ کے ہر نبی علیہ السلام نے دی۔ اسلام سے پہلے لوگ غیروں کو تو کیا اپنا سمجھتے، اپنوں کو بھی اپنا نہیں سمجھتے تھے۔ پوری دنیا، قوموں میں، قومیں علاقوں میں اور علاقے گروہوں اور ذاتوں میں تقسیم تھے اور سب ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ ہر قوم دوسری قوم کی اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن تھا۔ ایک ذات والے دوسری ذات والوں کو ختم کر دینا چاہتے تھے اور ایک زبان بولنے والے دوسری زبان بولنے والوں کا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس طرح پوری دُنیا نفرتوں کا شکار تھی اور قریب تھا کہ ساری دنیا کے انسان آپس میں کٹ مریں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر رحم آیا اور اُس نے حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو دینِ اسلام یعنی سلامتی کا مذہب دے کر دُنیا میں بھیجا۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے انسانوں کو ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا کہ تمام انسان ایک اللہ کی مخلوق اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ذات پات، رنگ و نسل، علاقے اور زبان کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کرنا اور دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اللہ کے نزدیک تو بس وہی بڑا ہے جو بُرائیوں سے زیادہ سے زیادہ پرہیز کرتا ہے۔

اسلام نے بھائی چارے کا یہ رشتہ صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ تمام انسانوں کے ساتھ انصاف، محبّت اور حسنِ اخلاق سے پیش آنے کی ہدایت کی۔ اسی انسانی ہمدردی کو دیکھ کر لوگ جُوق در جُوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔





اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت مُحَمّد مُصْطَفٰی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی تعلیمات جُوں جُوں پھیلتی گئیں، دُنیا انسانی اُخُوّت کے فَوائد و برکات سے واقف ہوتی گئی اور لوگ تَعَصُّب اور نفرت ترک کر کے ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔ آج جو دُنیا میں عالمگیر اُخُوّت یعنی عالمی بھائی چارے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان کی ابتدا عَرَب ہی سے ہوئی تھی۔

ہمیں چاہیے کہ مسلمان ہونے کی حَیثیّت سے عالمگیر اُخُوّت کے اس پیغام پر عمل کریں۔ علاقوں، زبانوں اور ذاتوں وغیرہ کے اِختلافات کو بُھلا کر نہ صرف یہ کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن جائیں بلکہ دُنیا کے سارے انسانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہوئے سب سے مُحبّت کریں اور سب کی بھلائی کے خواہاں رہیں۔

مشق

۱۔ اسلام سے قَبْل پوری دُنیا کے لوگوں کی کیا حالت تھی؟
۲۔ کس چیز نے عرب قبیلوں کی دُشمنی ختم کر کے اُنھیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا؟
۳۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے اچّھا کون ہے؟
۴۔ دُنیا کے لوگوں کو آپس میں کس طرح رہنا چاہیے؟
۵۔ ان جمع الفاظ کے واحد لکھیے: فَوائِد ۔ برکات ۔ اَخلاق ۔ اِختِلافات ۔ قبائل۔
۶۔ "ہم جماعت" کے معنی ہیں ایک ہی جماعت سے تعلق رکھنے والے۔ اب آپ ان الفاظ سے پہلے "ہم" لگا کر معنی لکھیے:
قَوم ۔ وَطَن ۔ عُمْر ۔ سَبَق ۔ دَرْد۔

راہ نُما بن جاؤں

درد جس دل میں ہو میں اُس کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں
دُکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دُعا بن جاؤں

اُف وہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں
روشنی جن میں نہیں نُور جن آنکھوں میں نہیں
میں اُن آنکھوں کے لیے نُور و ضیا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہُوا گھر سے نکلے
اُف وہ آنسو جو کسی دیدۂ تر سے نکلے
میں اُس آنسو کے سُکھانے کو ہَوا بن جاؤں

دُور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی
جب مُسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں راہ نُما بن جاؤں

عُمر کے بوجھ سے جو لوگ دَبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جُھکے جاتے ہیں
اُن ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

مشق

۱۔ خضر کا کام کروں، رہ نما بن جاؤں سے شاعر کا کیا مطلب ہے؟

۲۔ اس بند کی تشریح کیجیے:

عُمر کے بوجھ سے جو لوگ دَبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جُھکے جاتے ہیں
اُن ضعیفوں کے سہارے کو عَصا بن جاؤں

۳۔ ذیل کے الفاظ کے معنی بتائیے:

[illegible]

۴۔ آپ نابینا لوگوں کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں؟

۵۔ عَصا بننے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۶۔ ان الفاظ کو مُذکّر اور مؤنّث کے خانوں میں لکھیے:

دوا - دَرد - شِفا - دل - آنسو - مَنزِل - مُسافر - لاٹھی - عَصا

مُذکّر	مؤنّث

۷۔ شاعر نے جو جو خواہشیں کی ہیں، اُن پر [illegible] کے عنوان سے ایک مختصر مضمون لکھیے:

مُحترمہ فاطمہ جناح

دروازے پر اخبار والے کی آواز سُن کر مظہر دوڑا اور اخبار لے آیا صحن ہی میں سے اخبار دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا آج اخبار میں ان کی تصویر آئی ہے۔"

"کس کی تصویر آئی ہے؟" اُس کے چھوٹے بھائی اظہر نے شوق سے پوچھا۔

"محترمہ فاطمہ جناح کی" مظہر نے اخبار کا پہلا صفحہ اظہر کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ اظہر نے دیکھا تو اخبار کے پورے صفحے پر ایک خاتون کی تصویر تھی۔ لمبی سی ناک، بڑی بڑی آنکھیں، سلیقے سے بنائے ہوئے بال اور سادا سا لباس۔ مظہر نے اظہر کی دلچسپی دیکھتے ہوئے اسے بتایا کہ فاطمہ جناح قائداعظمؒ کی چھوٹی بہن تھیں۔

"مگر ان کی تصویر اخبار میں کیوں آئی ہے؟" اظہر نے پوچھا۔

اس سوال کا جواب مظہر کے پاس بھی نہ تھا۔ چناں چہ طے ہوا کہ یہ بات ابّو سے معلوم کی جائے۔

ان کے ابو نے اخبار دیکھتے ہوئے بتایا کہ آج محترمہ فاطمہ جناح کی برسی ہے۔ اس لیے اخباروں میں ان کی تصویریں بھی چھپی ہیں اور ان کے متعلق مضامین بھی لکھے گئے ہیں۔

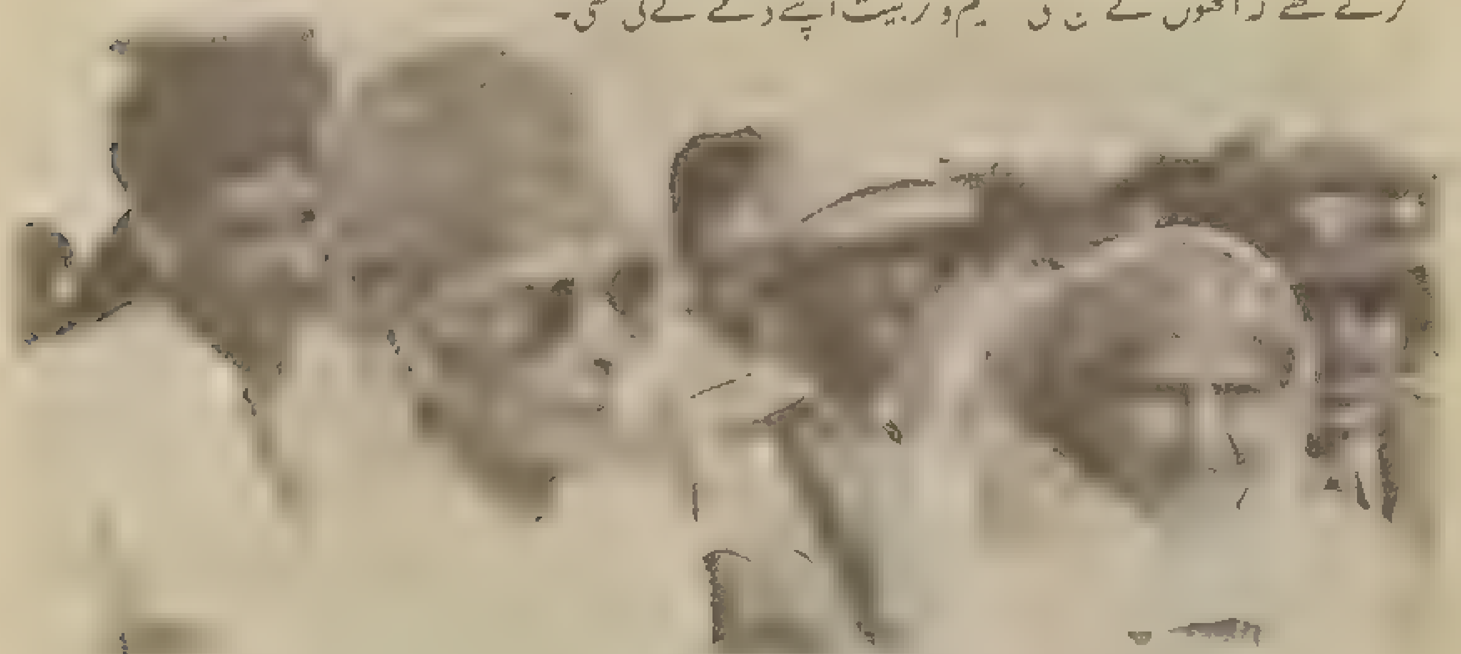
اظہر نے ابو سے فرمائش کی کہ وہ اُنھیں محترمہ فاطمہ جناح کے حالات بتائیں۔

ابو نے کہا "ابھی ذرا مجھے خبریں دیکھ لینے دو، اس کے بعد ہم ان کے بارے میں تمھیں بتائیں گے۔"

اظہر اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ کھیل میں مصروف ہوگیا اور مظہر اپنا اسکول کا کام کرنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابو کی آواز آئی۔ "اظہر، مظہر!" یہ سنتے ہی اظہر، مظہر اور ان کی چھوٹی بہن فوراً ابو کے پاس پہنچ گئے۔

ابو نے بتانا شروع کیا: محترمہ فاطمہ جناح قائداعظمؒ کی سب سے چھوٹی بہن تھیں۔ ان کی پیدائش سے دوسرے

سال ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے سب بہن بھائی ان کا خیال رکھتے تھے۔ قائدِ اعظمؒ تو ان سے اتنا پیار کرتے تھے کہ انھوں نے ان کی تعلیم و تربیت اپنے ذمے لے لی تھی۔



ابتدائی تعلیم مکمل کر کے محترمہ فاطمہ جناح نے دانتوں کے علاج اور دانت بنانے کے فن کی تربیت حاصل کی اور دانتوں کا اسپتال قائم کیا۔ محترمہ فاطمہ جناح بہت خوش اخلاق اور اپنے فن میں ماہر تھیں اس لیے جلد ہی ان کا کام جم گیا۔ لیکن یہ کام شروع کیے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ قائدِ اعظمؒ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت قائدِ اعظمؒ کو ایک ایسے مددگار کی ضرورت تھی جو ان کی دیکھ بھال بھی کر سکے اور گھر کا انتظام بھی چلا سکے۔

ان حالات کے پیشِ نظر محترمہ فاطمہ جناح اپنا اسپتال بند کر کے قائدِ اعظمؒ کے ساتھ رہنے لگیں۔ قائدِ اعظمؒ اس زمانے میں وکالت کرتے تھے اور ساتھ ہی ملک کی سیاست میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ جب محترمہ فاطمہ جناح نے ان کے گھر کا انتظام سنبھال لیا تو وہ اس طرف سے بے فکر ہو گئے اور اپنے کاموں میں پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگے۔

اس زمانے میں قائدِ اعظمؒ ہندوؤں کی ایک سیاسی جماعت کانگریس کے رویے سے مایوس ہو کر مسلمانوں کو مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر رہے تھے۔ یعنی تحریکِ پاکستان میں تیزی پیدا ہو چکی تھی۔ اختر نے اپنی کتاب کا جملہ دہرایا۔ ہاں، اس وقت تحریکِ پاکستان زوروں پر تھی۔ ابو نے اپنی بات دوبارہ پوری کرتے ہوئے کہا: مردوں میں تو تحریکِ پاکستان بہت مقبول ہو چکی تھی لیکن ابھی خواتین اس تحریک سے پوری طرح واقف نہیں ہوئی تھیں۔ محترمہ فاطمہ جناح نے یہ کام بھی اپنے ذمے لے

لیا۔ انھوں نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں جا کر عورتوں کے جلسوں میں تقریریں کیں۔ انھیں بھی حصولِ آزادی کے لیے مردوں کے دوش بدوش کام کرنے پر آمادہ کیا۔ اس بات پر انگریز اور ہندو مسلمانوں کے سخت مخالف ہوگئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مسلمانوں کی اَنتھک جدوجُہد سے پاکستان بن گیا۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد قائدِاعظمؒ کو ملک کے سربراہ کی حیثیت سے بہت محنت کرنی پڑی۔ جس سے ان کی صحت جواب دے گئی اور وہ بیمار ہوگئے۔ اس موقعے پر محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے بھائی کی تیمارداری میں دن رات ایک کردیا۔ قائدِاعظمؒ کی طرح محترمہ فاطمہ جناح کی زندگی کا مقصد بھی پاکستان کی خدمت کرنا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہت سے کام کیے۔ غریب اور بیوہ خواتین کے لیے گھریلو صنعتوں کے مراکز قائم کیے۔ وہ جب تک زندہ رہیں، بے گھر لوگوں کی آبادکاری میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور پاکستان کی ترقّی کے لیے کوششیں کرتی رہیں۔ ان خدمات کے صِلے میں قوم نے انھیں 'خاتونِ پاکستان' اور 'مادرِ ملّت' کے خطابات دیے۔ ان کی برسی آج کے دن پورے عزّت و احترام سے منائی جاتی ہے۔ آج اخبارات کے علاوہ ریڈیو اور ٹی وی پر بھی ان کی زندگی اور خدمات کے بارے میں پروگرام پیش کیے جائیں گے۔

اس کے بعد ابّو نے کہا: تم سب کو محترمہ فاطمہ جناح کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوگئی ہیں۔ چلو ناشتا کر کے اسکول جانے کی تیاری کرو۔

مشق

۱۔ قائدِاعظمؒ، محترمہ فاطمہ جناح سے کیوں زیادہ محبّت کرتے تھے؟

۲۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اپنا اسپتال کیوں بند کردیا تھا؟ ۳۔ محترمہ فاطمہ جناح نے قوم کے لیے کیا کیا کام کیے؟

۴۔ محترمہ فاطمہ جناح کی زندگی کے مختصر حالات اپنے الفاظ میں لکھیے:

۵۔ جو لفظ کسی چیز کی اچھائی یا کوئی خصوصیت ظاہر کریں۔ انھیں صِفت کہا جاتا ہے۔
مثلاً چھوٹی بہن، بڑا بھائی میں 'چھوٹی' اور 'بڑا' صِفت ہیں اور بہن اور بھائی موصُوف۔

۶۔ نیچے دیے ہوئے موصُوف اور صِفت کے نمبر ملائیے:

موصُوف =	۱ رات	۲ فقیر	۳ بچّہ	۴ کہانی
صِفت =	۱ مزیدار —	۲ نادان —	۳ بوڑھا —	۴ اندھیری

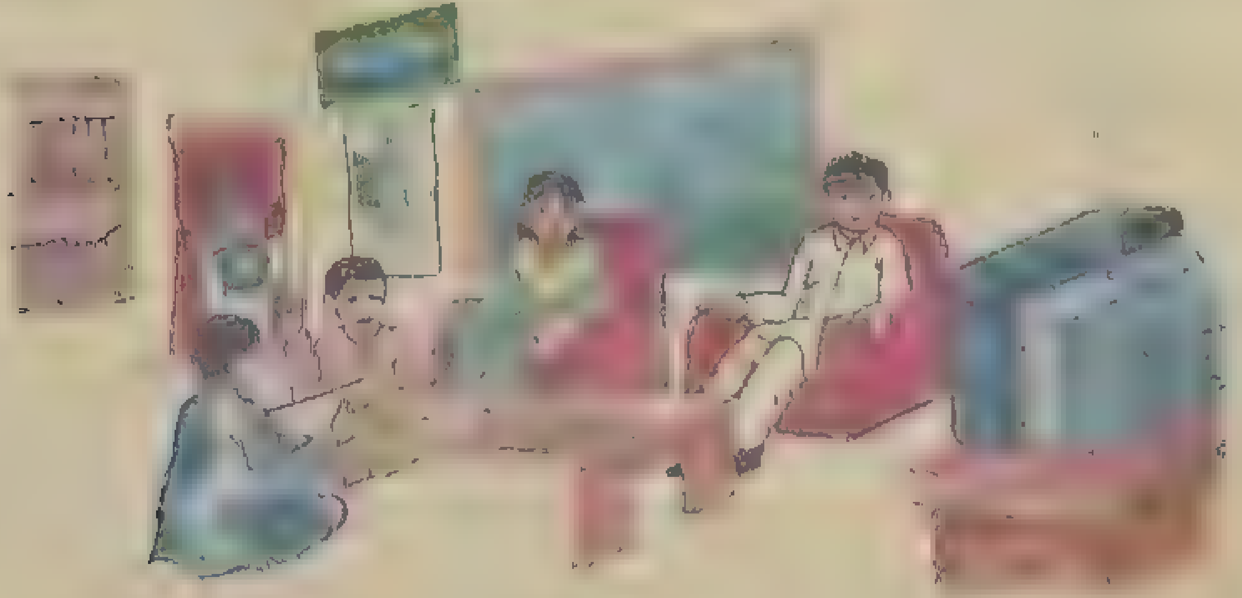
۷۔ "محترمہ فاطمہ جناح" پر ایک پیراگراف لکھیے۔

جو انسان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے

یومِ پاکستان

عامر میاں بار بار دروازے کی طرف دیکھتے۔ "ابھی بھائی جان اب تک نہیں آئے۔" دراصل آج عامر کے بھائی عارف کے اسکول میں جلسہ تھا اور وہ اس میں شریک ہونے گیا ہوا تھا۔ مغرب کے بعد جب عارف گھر پہنچا تو عامر نے شور مچادیا۔ "بھائی جان آگئے۔ بھائی جان آگئے۔" امی کہنے لگیں۔ "میاں تم تو اس طرح شور مچارہے ہو جیسے بھائی سے جدا ہوئے مدتیں گزری ہوں۔" دراصل عامر کی خوشی کی وجہ کچھ اور تھی۔ اس نے بھائی کے ہاتھ میں مٹھائی کی تھیلی دیکھ لی تھی۔

عارف نے مٹھائی کی تھیلی امی کو دیتے ہوئے کہا۔ "آج یومِ پاکستان کی خوشی میں ہمارے اسکول میں مٹھائی تقسیم ہوئی تھی۔" اتنے میں والد صاحب گھر میں داخل ہوئے۔ عامر نے انہیں بھی خوش خبری سنادی۔



"ابو! بھائی جان اسکول سے مٹھائی لائے ہیں۔ آپ نے بھی کھائی ہے نا۔" والد صاحب نے ہنستے ہوئے کہا: "ہاں ضرور کھائیں گے۔" پھر وہ عارف سے مخاطب ہوئے۔ "تمہارے اسکول کا جلسہ کیسا رہا؟"

"ابو بہت اچھا۔" عارف نے جواب دیا۔ "پہلے کھیلوں کے مقابلے ہوئے پھر تقریریں ہوئیں پھر اسکاؤٹوں کے کھیل ہوئے۔"

"تم نے کس چیز میں حصّہ لیا؟" والد صاحب نے پوچھا۔

"میں نے صرف دوڑ میں حصہ لیا تھا۔" عارف نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"پھر؟" والد صاحب نے پوچھا۔

"میں اس میں تیسرے نمبر پر آیا۔ اوّل اور دوم آنے والوں کو انعام ملا۔ میرے نام کا صرف اعلان کیا گیا۔" عارف نے کہا۔

"چلو تیسرے نمبر پر تو آئے نا۔ کئی لڑکے تو تم سے بھی پیچھے رہ گئے ہوں گے۔" والد صاحب نے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "تم صبح سویرے میرے ساتھ سیر کو چلا کرو اور شہر سے باہر نکل کر دوڑ لگایا کرو۔ جب تمھیں مشق ہو جائے گی تو سب سے آگے رہا کرو گے۔ تقریروں میں تم نے حصہ نہیں لیا کیا؟"

"تقریریں تو زیادہ تر ہمارے محترم استادوں نے کی تھیں۔" عارف نے جواب دیا۔

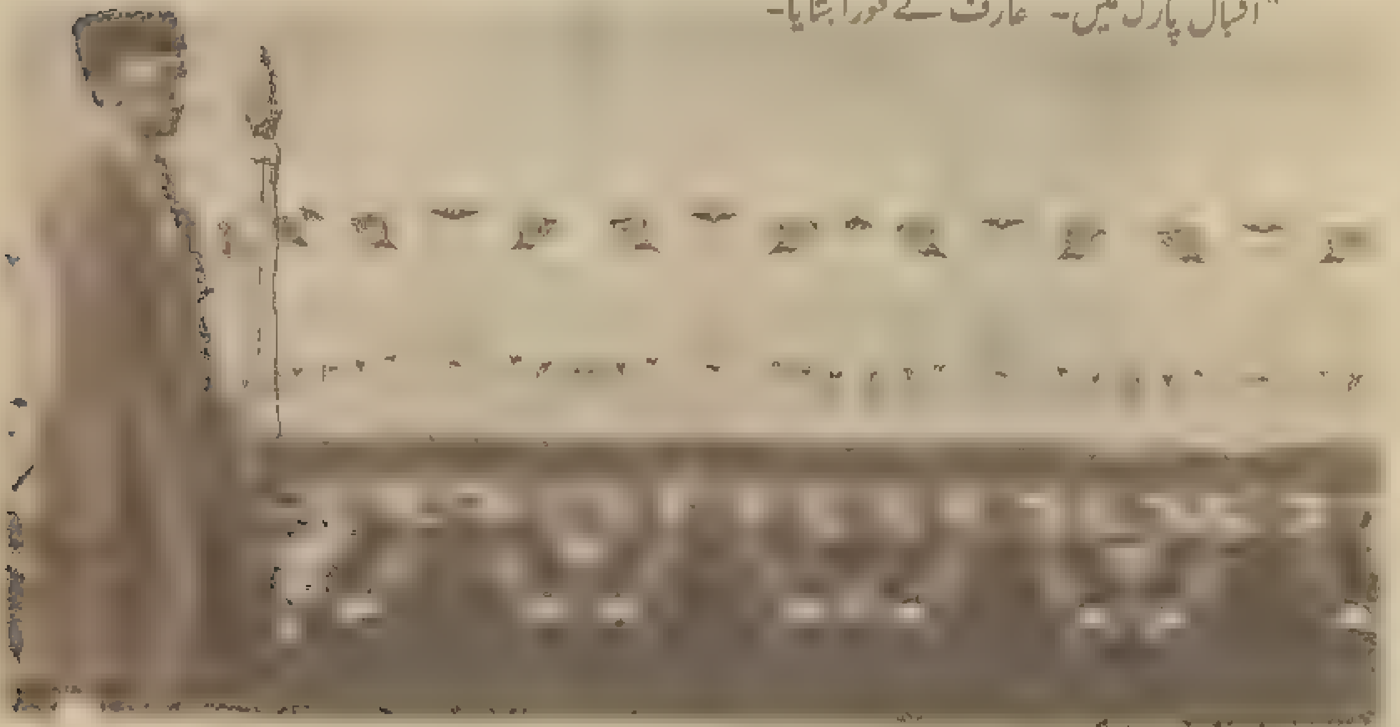
"کچھ یاد ہے تمھیں، تقریروں میں کیا کہا گیا تھا؟" امی نے مٹھائی پلیٹ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں امی، سب باتیں یاد ہیں۔" عارف نے فخر سے سینہ تان کر کہا۔

"بھائی جان ہمیں بھی سنائیے۔ کیا کیا تقریریں ہوئی تھیں۔" [illegible] مٹھائی کھاتے ہوئے بولا۔ "ہمارے استادوں نے بتایا کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کا لاہور میں جلسہ ہوا تھا۔ جس میں یہ طے کیا گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو کس طرح روکا جائے۔ یومِ پاکستان اسی دن کی یادگار ہے۔"

"یہ جلسہ لاہور میں کس مقام پر ہوا تھا؟" والد صاحب نے سوال کیا۔

"اقبال پارک میں۔" عارف نے فوراً بتایا۔



"ہاں صحیح ہے۔ اُسی پارک میں یادگار کے طور پر "مینارِ پاکستان" تعمیر کیا گیا ہے۔ اس جلسے کی صدارت قائداعظمؒ نے کی تھی اور اس میں مسلم لیگ نے ایک قرارداد منظور کی۔"

"قرارداد منظور کرنا کسے کہتے ہیں؟" عارف نے پوچھا۔

"قرارداد منظور کرنے کے معنی ہیں کسی بات کو مُتّفقہ طور پر تسلیم کرنا۔ مگر وہ قرارداد کیا تھی؟" والد صاحب نے ایک اور سوال کیا۔

"جی میں بتا رہا ہوں۔" عارف نے کہا۔ "قرارداد یہ تھی کہ ہندوستان سے انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اُن کی اپنی آزاد حکومت یا علیحدہ اور آزاد ریاست قائم ہو۔"

"تمھیں یہ بھی بتایا گیا ہوگا کہ مسلم لیگ نے یہ قرارداد کیوں منظور کی تھی؟" والد صاحب نے پوچھا۔

"ہاں ابو بتایا تو تھا مگر مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ کچھ "کانگریس" کی مسلمانوں کے ساتھ زیادتیوں کا ذکر تھا۔" عارف نے جواب دیا۔

عارف نے لفظ "کانگریس" پہلی مرتبہ سنا تھا، کہنے لگا۔ "تو یہ کانگریس کیا ہے؟"

اُس کے والد نے جواب دیا۔ "بھئی کانگریس اصل میں ایک سیاسی جماعت تھی جس میں شروع میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کو یہ یقین ہو گیا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کے مفاد کے لیے کام کرتی ہے اور مسلمانوں کی بہتری نہیں چاہتی تو مسلمان کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔"

"جی ہاں ابو۔" عارف کو بھی یہ بات یاد آ گئی۔ "ہمارے اُستاد نے بھی یہی بات بتائی تھی۔"

"تو آج کے جلسے میں تمھیں بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔" والد صاحب نے کہا۔

"جی ابو اور ہاں جب ہم لوگ جلسے سے اُٹھ کر مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں گئے تو وہاں پاکستان کے تحفظ اور ترقی کے لیے دعا بھی مانگی گئی۔" عارف نے کہا۔

"ضرور مانگی گئی ہوگی۔ ہم نے بھی آج جس مسجد میں نماز پڑھی، وہاں بھی پاکستان کے استحکام اور ترقی کے لیے دُعا مانگی گئی۔" اس کے والد نے کہا۔

"اور ابو آپ نے راستے میں ہمارے اسکول کی سجاوٹ بھی دیکھی؟" عارف نے سوال کیا۔



"ہاں دیکھی تھی۔ ساری عمارت پر چراغاں ہو رہا تھا۔" والد صاحب بولے۔

"تو آپ نے ہمارا اسکول دیکھا تھا؟ پورے میدان کو جھنڈیوں سے سجا دیا گیا تھا۔ یہ ساری جھنڈیاں ہم لڑکوں نے لگائی ہیں۔" عارف نے فخر سے کہا۔ "اور ابو آج تو بازار میں بھی خوب چراغاں ہو رہا ہے۔"

"ہاں ابو!" عامر نے پوچھا۔ "بازار میں بھی چراغاں ہو رہا ہے؟"

"چلو گے دیکھنے؟" والد صاحب نے پوچھا۔

"ہاں ابو ضرور چلیں گے۔" عامر خوش ہو گیا۔



اس کے بعد سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر چراغاں دیکھنے چلے گئے۔ عارف کی امی یومِ پاکستان کا خصوصی پروگرام دیکھنے کے لیے ٹیلی وژن کے سامنے آ بیٹھیں۔

مشق

۱۔ "یوم پاکستان" کس تاریخ کو اور کیوں منایا جاتا ہے؟

۲۔ ۲۳ مارچ ہمارے لیے کیوں اہم ہے؟

۳۔ مینارِ پاکستان کہاں واقع ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے؟

۴۔ ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

خوش خبری ۔ رُوداد ۔ تائید ۔ چراغاں ۔ اِستحکام۔

۵۔ نیچے دی ہوئی پہلی سطر کے الفاظ کے نیچے دیے ہوئے لفظوں میں سے ان کے ہم معنی الفاظ تلاش کر کے لکھیے:

بے چین ۔ زوردار ۔ راہ نما ۔ ناانصافی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۶۔ جُملے مکمل کیجیے:۔

(الف) .... نے مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کی تھی۔

(ب) قراردادِ پاکستان .... مارچ .... کو منظور ہوئی تھی۔

۷۔ "یوم پاکستان" پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔

۸۔ یوم پاکستان کے موقع پر ہمیں کیا کیا کرنا چاہیے؟ مختصراً لکھ کر کلاس میں لگائیے۔

حسد ایسا زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں

حاسد طالب کی کہانی

آج جماعت میں بڑا جوش و خروش تھا۔ تمام طَلَبَہ نہایت بے چینی سے اپنے اُستاد کا انتظار کر رہے تھے۔ جاوید بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ وہ کچھ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ حمید نے جاوید کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا:

حمید: جاوید تم کچھ پریشان ہو؟

جاوید: (چونک کر) میں، نہیں .... نہیں تو۔

حمید: اس وقت تک نادر کے نمبر سب سے زیادہ ہیں۔ تمھیں اس سے زیادہ نمبر لینے ہیں، تاکہ پہلا انعام تمھیں ملے۔ مگر تم تو گھبرا رہے ہو۔

جاوید: نہیں تو، میں تو بالکل نہیں گھبرا رہا۔ میں ان شاء اللہ نادر سے زیادہ نمبر لوں گا۔ میں......

حمید: بس اب چُپ ہو جاؤ۔ وہ دیکھو ماسٹر صاحب آ رہے ہیں۔ اب مزا آئے گا۔

(ماسٹر صاحب جماعت میں داخل ہوتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہوئے طَلَبَہ کو بیٹھنے کو کہتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب: بچو! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہر ہفتے جماعت کے کسی ایک لڑکے کو پاکستان کے کسی



مشہور شہر کی کہانی سنانی ہوتی ہے۔ پچھلے ہفتے نادر کی باری تھی۔ انھوں نے حیدر آباد کی کہانی سنائی تھی اور چھ

نمبر لیے تھے جو اس وقت تک کے مقابلوں میں سب سے زیادہ ہیں۔ آج جاوید کی باری ہے۔ یہ ملتان کی کہانی سنائیں گے۔ جاوید آپ تیار ہیں؟

جاوید: جی ہاں!

ماسٹر صاحب: "بچو! آپ کو معلوم ہے کہ کہانی سنانے کے دوران اگر جاوید کوئی بات غلط بتائیں یا بھول جائیں اور جماعت کا کوئی بچہ ان کی اصلاح کردے تو ان کے نمبر کٹ جائیں گے۔ (پھر جاوید سے مخاطب ہو کر) آپ کہانی شروع کریں۔"

جاوید: بہتر جناب! ملتان کی کہانی جتنی پرانی ہے اتنی ہی دل چسپ بھی ہے۔ اس شہر نے سکندر اعظم، محمد بن قاسم، چنگیز خان، محمود غزنوی اور تیمور جیسے مشہور فاتحین کی شان و شوکت دیکھی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس شہر نے تمام مغل شہنشاہوں کا جاہ و جلال بھی دیکھا ہے۔ مغلوں کے بعد یہاں افغانوں کی حکومت قائم ہوئی، پھر یہاں سکھوں کا قبضہ ہوا۔ اس کے بعد انگریز آئے۔ انگریزوں کی حکومت کے خاتمے پر جب ملک آزاد ہوا تو ملتان پاکستان میں شامل تھا۔ (جاوید ذرا سی دیر کو رکتا ہے تو طلبہ شور مچاتے ہیں)

"پھر کیا ہوا؟ پھر کیا ہوا؟"

ماسٹر صاحب: بھئی ذرا دم تو لینے دو۔ ہاں جاوید، تو پھر کیا ہوا؟

جاوید: جناب ملتان سے متعلق کچھ تاریخی باتیں رہ گئی ہیں، پہلے وہ بتانا چاہتا ہوں، پھر یہ بتاؤں گا کہ پاکستان بننے کے بعد اس شہر نے کتنی ترقی کی۔

ماسٹر صاحب: ضرور، ضرور۔

جاوید: وہ ضروری باتیں یہ ہیں کہ ملتان قدیم زمانے میں بھی بہت مشہور تھا۔ بڑے بڑے سیاح، مثلاً ابنِ بطوطہ، ہیون سانگ، مسعودی اور البیرونی کے سفر ناموں میں ملتان کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ تین مشہور بادشاہ احمد شاہ درانی، محمد تغلق اور بہلول لودھی بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔

(جاوید چپ ہو جاتا ہے اور رومال سے پیشانی صاف کرنے لگتا ہے۔ نادر کھڑا ہو کر کہتا ہے۔)

نادر: جناب میں کچھ عرض کروں؟

ماسٹر صاحب: (مسکراتے ہوئے جاوید کو دیکھ کر پوچھتے ہیں) کیوں جاوید کیا نادر کچھ بتائیں؟

جاوید: جی نہیں جناب، میں خود ہی سب کچھ بتا دوں گا۔ (نادر سے مخاطب ہو کر) آپ مہربانی فرما کر بیٹھ جائیے۔

(نادر بیٹھ جاتا ہے)

(جاوید کہانی کا سلسلہ اس طرح شروع کرتا ہے جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو)

جاوید: جی تو سنیے!

قدیم شہر ہونے کی حیثیت سے ملتان میں بہت سی پرانی عمارتیں ہیں جن میں مسجد ولی محمد اور پرانا قلعہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس قلعے میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، شاہ رکنِ عالمؒ، حضرت شمس سبزواریؒ اور شیخ یوسف گردیزیؒ کے مقبرے ہیں۔ ان مقبروں کے علاوہ اب یہاں ایک خوب صورت تفریح گاہ بھی بنادی گئی



ہے جس کا نام "ابن قاسم باغ" ہے۔ اس تفریح گاہ میں اسٹیڈیم، پیراکی کے لیے تالاب اور "نگار خانہ" نامی عجائب گھر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ لنگے خاں کا باغ اور عام خاص باغ بھی شہر کی اچھی تفریح گاہیں ہیں۔ (جاوید رکتا ہے تو ماسٹر صاحب اس سے ایک سوال کرتے ہیں)

ماسٹر صاحب: جاوید! تم نے بھی بتایا تھا کہ آزادی کے بعد ملتان پاکستان کے حصے میں آ گیا۔ تو کیا ملتان نے اس کے بعد کوئی ترقی نہیں کی؟

جاوید: عرض کرتا ہوں جناب! قیام پاکستان کے بعد ملتان نے صنعتی اور تجارتی میدان میں بہت ترقی کی۔ صنعتی لحاظ سے یہاں سوتی اور اونی کپڑا بنانے، مشینوں کے پرزے ڈھالنے، کھاد بنانے اور شیشہ سازی کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔ ایک بہت بڑا بجلی گھر بھی ہے۔ اس کے علاوہ کھڈی کا کپڑا، چادریں، دریاں، قالین، اونٹ کی کھال کا آرائشی سامان، جوتے وغیرہ اور برتن بنانے کی گھریلو صنعتیں بھی قائم ہوئیں جو روز بروز ترقی کر رہی ہیں۔ (جاوید خاموش ہو جاتا ہے اور کچھ گھبرایا ہوا سا نظر آتا ہے)

نادر: جناب! ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

ماسٹر صاحب: جاوید سے پوچھ لو۔

جاوید: کہو۔

نادر: شاید جاوید صاحب کچھ تھک گئے ہیں۔ اس لیے کچھ باتیں میں بتاتا ہوں۔ شہر کے اہم مقامات کے سلسلے



میں ملتان کی چھاؤنی، عید گاہ، ہوائی اڈا، نشتر میڈیکل کالج اور بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کا ذکر بھی ضروری تھا۔

(جاوید کسی قدر سنبھل جاتا ہے اور کہتا ہے)

جاوید: بہت بہت شکریہ نادر صاحب! بس اب آپ بیٹھ جائیے۔ باقی باتیں میں خود ہی بتادوں گا۔ ملتان کا چوک بازار بہت مشہور ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے مختلف سمتوں میں چھ راستے نکلتے ہیں جو ملتان شہر کی فصیل کے چھ دروازوں تک جاتے ہیں۔ دروازوں کے نام ہیں۔ دہلی دروازہ، حرم دروازہ، پاک دروازہ، خونی برج، بوہڑ دروازہ اور لوہاری دروازہ۔ ان پر بے شمار سجی سجائی دکانیں ہیں جن کی وجہ سے یہاں ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ سندھ اور پنجاب کے درمیان ملتان سب سے بڑی تجارتی منڈی ہے۔ اس لیے یہاں کے بازاروں کی رونق کبھی کم نہیں ہوتی۔

(اتنا کہہ کر جاوید خاموش ہوجاتا ہے اور فخریہ انداز میں پوری جماعت پر ایک نظر ڈالتا ہے جیسے اس نے کوئی بڑی مہم سر کرلی ہو۔)

ماسٹر صاحب: (جاوید کی طرف دیکھ کر) جاوید نے بہت اچھی طرح سے ملتان کی کہانی سنائی ہے۔ میں نہیں مبارک باد دیتا ہوں۔

حمید: (آہستہ سے) جاوید مبارک ہو، پہلا انعام آپ ہی کو ملے گا۔

جاوید: شکریہ

ماسٹر صاحب: آپ کا ایک نمبر کاٹ لیا گیا ہے۔ کیوں کہ آپ درمیان میں خاموش ہو گئے تھے اور کچھ باتیں نادر نے بھی بتائی تھیں۔ اس طرح آپ نے نو نمبر حاصل کیے ہیں۔

جاوید: ٹھیک ہے جناب!



ماسٹر صاحب: میں یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ پہلا انعام جاوید کو دیا جاتا ہے۔



مشق

۱-مُلتان پر کن کن بادشاہوں کی حکومت رہی؟

کن کن سیاحوں کے سفر ناموں میں ملتان کا ذکر ملتا ہے؟

۳-کون سے تین مشہور بادشاہ ملتان میں پیدا ہوئے؟

۴-ملتان میں کن مشہور بزرگوں کے مزار ہیں؟

۵-مُلتان کے پرانے قلعے میں کون کون سی چیزیں قابلِ دید ہیں؟

۶-مُلتان کی دست کاری کی مصنوعات میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟

۷-چوک بازار کی خصوصیات تحریر کیجیے:

۸-خالی جگہوں کو پُر کیجیے:-

ـ ملتان شہر نے ....، ......، ......، ......، ....، ......اور...... ......جیسے مشہور فاتحین کی شان و شوکت دیکھی ہے۔

ـ مغلوں کے بعد ملتان پر......... کی حکومت قائم ہوئی۔

ابن بطوطہ، ہوان سانگ، مسعودی اور البیرونی کے .... میں ملتان کا ذکر ملتا ہے۔

حمد شاہ درانی، محمد تغلق اور بہلول لودھی .... میں پیدا ہوئے۔

بہاء الدین زکریا، شاہ رکنِ عالم، شمس سبزواری اور یوسف گردیزی کے ......ملتان میں ہیں۔

"چوک بازار" سے .... راستے نکلتے ہیں جو ملتان شہر کی .... کے چھ دروازوں تک جاتے ہیں۔

(ز) پہلا انعام .... کو ملا۔

۹-ملتان کی کہانی آپ نے پڑھی ہے۔ اب آپ بھی اسی طرح اپنے شہر کی کہانی لکھیے۔

پاک سرزمین

یہ پاک سرزمیں ہے ، پیارا وطن ہمارا
ہم پھول [illegible] چمن کے [illegible] چمن ہمارا

بخشی ہے اس کو حق نے [illegible]
عظمت [illegible] اسلام کی [illegible]

[illegible] کے ، جھنڈے کا چاند تارا
[illegible] مسلم ہیں ، دینِ برحق اسلام ہے ہمارا

محنت سے اپنی ، اس کی عزت بڑھائیں گے ہم
ہمت سے اس کا پرچم اونچا اڑائیں گے ہم

ایک بار پھر اٹھیں گے قرآں کا نور لے کر
اس پاک [illegible] سے پھر [illegible]

پھر نیکیوں کے چشمے پھوٹیں گے اس زمیں [illegible]
عزت ملے گی نسلِ آدم کو پھر یہیں سے

ہم [illegible] کے حق میں اللہ کا غضب ہیں
مظلوم ہو تو اس کی [illegible] کا سبب ہیں

دین و وطن کی خاطر سب کچھ لٹائیں گے ہم
اللہ کے رستے میں ، سر تک کٹائیں گے ہم

نظر زیدی

۱۔ ہمارے وطن کو کس چیز کی بدولت عظمت ملی ہے؟
ہمیں مظلوموں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے؟
۳۔ پانچویں شعر میں شاعر نے کس عزم کا اظہار کیا ہے؟
۴۔ ہم دین اور وطن کی خاطر کیا کچھ کرسکتے ہیں؟
۵۔ وطن کی عزت کن باتوں سے بڑھتی ہے؟
۶۔ اس نظم میں دیے گئے ہم قافیہ لفظ لکھیے۔
۷۔ اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔
۸۔ ہم وطن کی حفاظت کس کس طرح کرسکتے ہیں؟ مختصراً لکھ کر کلاس میں لگائیے۔

حجّ

ریحان شام کو اپنے سکول کے میدان سے کرکٹ کھیل کر گھر پہنچا تو اُس کی امّی نے عطیہؔ کو آواز دی۔
"بیٹی تمھارے بھائی جان آ گئے ہیں۔ ان کے حصّے کی کھجوریں اور پانی لے آؤ۔"
کھجوریں ریحان کو بہت پسند تھیں۔ اس لیے کھجوروں کا نام سن کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا لیکن پانی والی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ سوچنے لگا۔ یہ پانی کا حصہ کیسا ہے؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ عطیہؔ ایک چھوٹی سی طشتری میں دو کھجوریں اور گلاس میں تھوڑا سا پانی لے آئی اور بولی "لیجیے بھائی جان اپنا حصہ۔"



"بس دو کھجوریں؟" ریحان نے تعجّب سے پوچھا۔ "اور یہ تھوڑا سا پانی! یہ پانی کیسا ہے؟"
امّی نے اُس کی حیرانی پر مسکراتے ہوئے کہا۔ "بیٹا یہ آبِ زم زم ہے اور کھجوریں مدینے مُنوّرہ کی ہیں۔ تمھارے ابّو کے دوست حجّ کر کے آئے ہیں۔ یہ تبرّک انھی کے گھر سے آیا ہے۔" ریحان نے کھجوریں کھا کر پانی پی لیا۔ پھر تعجّب سے پوچھا۔ "امّی پانی تو گھر میں بھی بہت ہوتا ہے اور کھجوریں بھی بازار میں مل جاتی ہیں۔ پھر لوگ اتنی دُور کیوں جاتے ہیں؟ پچھلے سال نانی امّاں بھی وہاں سے کھجوریں اور پانی لے کر آئی تھیں۔ اس سال ابّو کے دوست لے کر آئے ہیں۔"

امی ریحان کا سوال سُن کر ہنس پڑیں اور بولیں "نہیں بیٹا پانی اور کھجوریں لینے تھوڑا ہی جاتے ہیں۔ جاتے تو حج کرنے ہیں۔ یہ چیزیں تو واپسی میں تبرک کے طور پر لاتے ہیں۔"

"امی حج کیسے کیا جاتا ہے؟" ریحان نے دوسرا سوال کیا۔

امی بولیں "ابھی تو تم کھیل کر آئے ہو، جاؤ غُسل کر لو میں، بھی کھانا پکا کر فارغ ہو جاؤں۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد حج کے بارے میں بتاؤں گی۔"

کھانا کھا کر جب امی نماز پڑھنے کھڑی ہوئیں تو ریحان کی نظریں بار بار اُن پر لگی ہوئی تھیں کہ کب وہ نماز ختم کریں اور کب حج کی باتیں بتائیں۔ عطیہ بھی حج کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ اُسے بھی یہ باتیں سُننے کا شوق تھا۔ جیسے ہی امی نماز ختم کر کے اپنی چارپائی پر آئیں دونوں بہن بھائی اُن کے پاس آ بیٹھے۔ امی اُنھیں دیکھ کر مسکرائیں اور بولیں: "اچھا! تم حج کی باتیں سننے کے لیے بے تاب ہو۔"

"جی ہاں!" دونوں ایک ساتھ بولے۔

امی کہنے لگیں۔ "حج اسلام کا پانچواں رُکن ہے۔ اس رُکن کی ادائگی ہجری سال کے آخری مہینے 'ذی الحج' میں مکہ معظمہ میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حاجی وہاں جا کر بیتُ اللہ کی زیارت بھی کرتے ہیں۔"

"امی بیتُ اللہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا؟" ریحان نے پوچھا۔

"ہاں"۔ امی نے جواب دیا۔ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے پیارے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ آج تک مسلمان وہاں جا کر عبادت کرتے ہیں۔ اُس عمارت کا طواف



کرتے ہیں، یعنی اُس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے جانوروں کی قربانی دیتے ہیں۔"

ریحان کو ایک کتاب میں پڑھا ہوا حضرت اِسْمٰعیل عَلَیْہِ السَّلام کی قُربانی کا واقعہ یاد آگیا۔ جلدی سے بولا۔ "امی! اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے والے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک دُنبہ بھیج دیا تھا اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام نے اُسی کی قربانی دی تھی۔"

"ہاں تم نے صحیح کہا۔" امی نے ریحان کی تائید کی۔ "اُسی واقعے کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے مسلمان بقرعید کے موقعے پر جانور قربان کرتے ہیں۔"

"امی! حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام حضرت اِسْمٰعیل عَلَیْہِ السَّلام سے بہت محبّت کرتے تھے، پھر بھی اللہ میاں کے حکم سے اُن کو قربان کرنے پر تیار ہو گئے تھے!" عَطِیّہ نے عقیدت سے کہا۔

"ہاں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں "خَلِیلُ اللہ" یعنی اللہ کا دوست کا لقب عطا فرمایا تھا۔ وہ اِس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے حُکم پر اپنے شِیر خوار بچّے حضرت اسمٰعیل عَلَیْہِ السَّلام اور بیوی حضرت ہاجِرہ کو عرب کے غیر آباد علاقے میں اکیلا چھوڑ آئے تھے۔" امی نے جواب دیا۔

"جی! غیر آباد علاقے میں اُنھیں کھانے کو کون دیتا ہوگا!" عَطِیّہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کھانے سے بھی پہلے پانی کا مسئلہ تھا۔ جب دُھوپ کی شدّت ہوئی تو حضرت اِسْمٰعیل عَلَیْہِ السَّلام نے پیاس سے بلکنا شروع کیا، حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑیں مگر وہاں دُور دُور تک پانی کا نام نشان نہ تھا۔" امی نے کہا۔

"ہاں امی یاد آگیا۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ حضرت اِسْمٰعیل عَلَیْہِ السَّلام کے ایڑیاں رگڑنے سے وہاں ایک چشمہ جاری ہو گیا تھا۔" ریحان بولا۔

"ہاں" امی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "اور ایسا جاری ہوا کہ حضرت ہاجرہ کہتی ہی رہیں "زم زم" یعنی رک جا! رک جا! مگر چشمہ کہاں رکتا تھا وہ تو اللہ کے حکم سے جاری ہوا تھا اور آج تک جاری ہے۔ اسی چشمہ کی وجہ سے مکے کا شہر آباد ہوا۔ اس واقعے کی یاد میں حاجی آج تک اس مقام پر دوڑتے ہیں اور آبِ زم زم پیتے اور تحفہ کے طور پر اپنے اپنے ملکوں کو لے جاتے ہیں۔ یہ وہی متبرک پانی تو تھا جو آج شام تم نے پیا تھا۔"

"اچھا امّی اور کیا کرتے ہیں حاجی؟" ریحان کی طرح عطیہ بھی حج کی باتوں میں بہت دلچسپی لے رہی تھی۔
"اور بَیْتُ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ مکّے سے کچھ فاصلے پر ایک میدان ہے عَرفات ۔وہاں جا کر نماز پڑھتے ہیں ور شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔" امّی نے کہا۔



"شیطان کو!" دونوں بچے حیرت سے ایک ساتھ بولے۔
"ہاں شیطان کو" امّی نے کہا۔ مِنیٰ کے میدان میں اس مقام پر جہاں شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکا کر قربانی سے باز رکھنے کی کوشش کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُسے کنکریاں ماری تھیں، تین مینار بنے ہوئے ہیں۔ حاجی ان کو کنکریاں مار کر اس واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔
"امّی حاجیوں کو تو یہ ساری باتیں بڑی اچھی لگتی ہوں گی۔" ریحان نے کہا۔
"ہاں" ، امّی بولیں۔ "حاجی یہ تمام کام بڑی عقیدت سے کرتے ہیں۔ ہر علاقے سے آنے والے مسلمان ایک ہی لباس پہنے ور ایک ہی زبان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح "لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ..... " کہتے ہوئے بیت اللہ کی جانب بڑھتے ہیں تو اُن کے دلوں میں آپس کی محبّت ور اللہ کی راہ میں سب کچھ چھوڑ دینے کا ایک عجیب جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر حج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص صحیح طریقے اور سچی نیّت سے حج کرے۔ اللہ اُس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔"
"امّی! ہم لوگ بھی حج پر چلیں۔" ریحان کے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔
"ہاں امّی ضرور چلیے گا۔" عطیہ نے بھی اپنے شوق کا اظہار کیا۔
"اِنْ شَآءَ اللہ ضرور چلیں گے۔" امّی نے جواب دیا

مشق

ریحان کی امی نے سے دو کھجوریں اور تھوڑا سا پانی دیا، وہ کھجوریں اور پانی کیا تھا؟

۲۔ بیت اللہ کس نے بنایا؟

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل اللہ" کا لقب کیوں ملا؟

۴۔ چشمے کا نام زم زم کیوں پڑا؟

۵۔ شہرِ مکّہ کس طرح آباد ہوا؟

۶۔ مکّے پہنچ کر حاجی کیا کیا کرتے ہیں؟

۷۔ حجّ کا سب سے بڑا فائدہ کیا ہے؟

۸۔ حجّ اور خانۂ کعبہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد بچّوں نے کس خواہش کا اظہار کیا؟

۹۔ ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

زیارت - تائید - عقیدت - آمادہ - طواف - بلکنا - باز رکھنا۔

۱۰۔ حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ آپ حج پر ایک مختصر سا مضمون لکھیے۔



اس عمل سے بچو جس میں علم نہ ہو

میر معصُوم شاہ بکّھری

آپا نعیمہ: بچّو! آپ کو معلوم ہے کہ یہ مضمون نویسی کا گھنٹہ ہے۔ آج ہمیں میر معصُوم شاہ بکھری پر مضمون لکھنا ہے۔ اس مقصد کے لیے میں نے آپ کو اسکول کی لائبریری سے کچھ کتابیں اور رسالے لا کر دیے تھے تاکہ آپ انھیں پڑھیں اور میر معصُوم شاہ بکھری کے بارے میں معلومات جمع کر کے لائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کے ہر گروپ نے ضرور اُن کتابوں کو پڑھا ہوگا۔

طالبات: جی ہاں ہم نے پڑھا ہے۔

آپا نعیمہ: شاباش! اب میں باری باری ہر گروپ کی کسی بھی لڑکی سے سوال کروں گی اور خاص خاص باتیں تختۂ سیاہ پر لکھتی جاؤں گی جن کی مدد سے آپ اپنی کاپیوں پر پورا مضمون تیار کریں گی۔

طالبات: جی بہت اچھا!

(آپا نعیمہ تختۂ سیاہ پر عُنوان لکھتی ہیں)

آپا نعیمہ: راشدہ آپ بتایئے کہ میر معصُوم شاہ بکّھری کہاں پیدا ہوئے تھے؟

راشدہ: میر معصوم شاہ بکّھری سندھ کے قدیم شہر بکّھر میں پیدا ہوئے تھے جو موجودہ شہر سکّھر کے قریب واقع تھا۔

آپا نعیمہ: ٹھیک ہے۔ ان کے والد کا کیا نام تھا؟ عائشہ آپ بتایئے۔

عائشہ: اُن کے والد کا نام سیّد صفائی تھا۔

آپا نعیمہ: کیا سیّد صَفائی بھی بکّھر کے رہنے والے تھے؟

عائشہ: جی نہیں۔ وہ قندھار سے یہاں آئے تھے۔ وہ بڑے عالِم فاضِل شخص تھے۔ جب بکّھر کے حاکم کو ان کے عِلم و فضل کا علم ہوا تو اُس نے سیّد صفائی کو بکّھر کا شیخُ الاِسلام مقرر کر دیا۔

آپا نعیمہ: بچّیو! شیخُ الاِسلام، کسے کہتے ہیں؟ (طالبات خاموش رہتی ہیں)

آپا نعیمہ: اچھا تو آپ سمجھیں نہیں، لیجیے میں آپ کو بتاتی ہوں۔ شیخُ الاِسلام وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو دینی مسائل بتاتا ہے اور شریعت کے مطابق مُقدّمات کے فیصلے کرتا ہے۔ بیٹی ہُبیٰ! آپ میر معصُوم شاہ بکّھری کی اِبتدائی زندگی کے بارے میں کچھ بتایئے۔

لبنیٰ : میر معصوم شاہ بکھری ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے اُن کی دینی تعلیم پر خاص توجہ دی گئی۔ اُن کے اُستادوں میں مخدوم بلال اور قاضی دتہ سیوہانی جیسے مشہور علماء شامل تھے۔

آپا نعیمہ : ٹھیک ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ حاکم بکھر کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے، جیسا کہ عائشہ نے ابھی بتایا ہے۔ لیکن کیا وہ تمام عمر اسی دربار سے وابستہ رہے؟ ثریا آپ بتائیے۔

ثریا : جی نہیں، وہ ہمیشہ بکھر کے دربار میں نہیں رہے بلکہ کچھ عرصے بعد وہ مغل شہنشاہ اکبر کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ شہنشاہ اکبر نے ان کے علم و فضل، شعر گوئی اور بہادری کی وجہ سے ان کی بڑی قدر کی اور وہ بہت سی مشہور جنگوں میں اکبر کے لشکر کے ہمراہ رہے۔

آپا نعیمہ : صدیقہ! ان جنگوں کے متعلق آپ کچھ بتائیے۔

صدیقہ : جی اچھا! میر معصوم شاہ بکھری نے گجرات اور سندھ کی فتح میں اکبر کے مشہور سپہ سالار خانِ خاناں کی ہر طرح مدد کی۔ ان فتوحات میں میر معصوم شاہ بکھری کا بڑا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ جب شہنشاہ اکبر دکن گیا تو میر معصوم شاہ بکھری کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا جہاں اکبر نے بہت سی تاریخی عمارتیں بنوائیں۔ ان یادگار عمارتوں پر جو اشعار کندہ ہیں وہ میر معصوم شاہ بکھری ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔

آپا نعیمہ : کیا اس کے علاوہ انھوں نے کوئی اور بھی خدمت انجام دی تھی؟ رضیہ بتائیں، آپ بہت دیر سے ہاتھ اُٹھا رہی ہیں۔

رضیہ : وہ اکبر کے سفیر بن کر ایران گئے اور دو سال تک ایران کے دربار میں رہے۔ وہاں بھی قابلیت کی وجہ سے اُن کی بڑی عزت ہوئی۔

آپا نعیمہ : شاباش! انجم آپ بتائیے کہ انھوں نے کون کون سے علمی کارنامے سر انجام دیے؟

انجم : وہ گجرات کے اُس مشہور مدرسے میں کتابیں لکھنے میں مصروف ہو گئے جہاں بہت سے اور علماء بھی کام کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے سندھ کی تاریخ پر ایک کتاب لکھی جو تاریخِ معصومی کے نام سے مشہور ہے۔

آپا نعیمہ : شاباش! شاباش! بھئی آپ لوگوں نے تو واقعی بڑی توجہ سے میر معصوم شاہ بکھری کے متعلق پڑھا ہے اور اچھی طرح تیاری کر کے آئی ہیں۔ اچھا ان علمی کارناموں کے علاوہ بھی انھوں نے کوئی کام کیا؟ راشدہ آپ بتائیے۔

راشدہ : علمی اور جنگی کارناموں کے علاوہ میر معصوم شاہ بکھری نے بہت سی عمارتیں بھی بنوائیں۔ روہڑی کی عید گاہ، سکھر کا مسافر خانہ، آرام گاہ اور سکھر ہی کی مسجد منزل گاہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے بکھر میں بھی عمارتیں بنوائیں تھیں۔

آپا نعیمہ : (مسکراتے ہوئے) ایک بات آپ بھول گئیں۔ میر معصوم شاہ بکھری کا مینار کس نے بنوایا تھا؟ بتول آپ بتائیے۔

بتول : اس مینار کی تعمیر کا کام شروع تو میر معصوم شاہ بکھری ہی نے کیا تھا، لیکن اسے مکمل اُن کے بیٹے نے کروایا تھا۔ یہ مینار اس وجہ سے بھی زیادہ مشہور ہے کہ اس کے نیچے خود اُن کا اور اُن کے والد سید صفائی کا مزار ہے۔

آپا نعیمہ : بہت خوب! شاباش! میں آج آپ لوگوں سے بہت خوش ہوں۔ آپ نے بڑی دلچسپی اور محنت سے میر معصوم شاہ بکھری کے حالات زندگی پڑھے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ ہمیشہ اسی طرح کتابوں کے ذریعے اپنی معلومات میں اضافہ کرتی رہیں گی۔ اچھا! اب ذرا ادھر تختۂ سیاہ کی طرف دیکھیے۔ میر معصوم شاہ بکھری کے متعلق خاص خاص نکات سلسلے وار لکھے ہوئے ہیں۔ اُن کو اپنی کاپیوں میں نقل کرلیجیے اور ان کی مدد سے میر معصوم شاہ بکھری پر ایک مکمل مضمون تیار کر کے لائیے اور ایک خاص اعلان بھی سن لیجیے۔ جس بچی کا مضمون سب سے اچھا ہوگا اُسے انعام دیا جائے گا۔"

مشق

۱۔ آپا نعیمہ نے کس طرح بچّیوں کو "میر معصوم شاہ بکھری" پر مضمون لکھنے کے لیے معلومات فراہم کیں؟
۲۔ میر معصوم شاہ کے والد کا نام کیا تھا؟
۳۔ میر معصوم شاہ کی بنوائی ہوئی مشہور عمارتوں کے نام لکھیے۔
۴۔ کن دو صوبوں کی فتح میں میر معصوم شاہ بکھری نے خان خاناں کا ساتھ دیا؟
۵۔ ایران کے دربار میں میر معصوم شاہ بکھری کو کس وجہ سے عزّت ملی؟
۶۔ ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

توجہ ۔ علم و فضل ۔ شعر گوئی ۔ کارنامے ۔ بیک وقت۔

۷۔ جملے مکمل کیجیے:

(۱) میر معصوم شاہ نے ... ... اور .... سے تعلیم حاصل کی۔
(۲) اُنھوں نے .... کے نام سے سندھ کی تاریخ لکھی۔
(۳) ان کے والد کو بکھر کا .... مقرر کیا گیا۔
(۴) ایران کے دربار میں اکبر کے .... کی حیثیت سے رہے۔
جہاں اُن کی بڑی .   ہوئی۔

عورت کا مُعاشرے میں کردار

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ساری مخلوقات سے افضل بنایا ہے۔ انسان ہونے کے ناطے سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ مرد اور عورت دونوں مل کر مُعاشرے کی ترقّی اور خوشحالی کا سبب ہوتے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے دونوں میں کچھ فرق رکھا ہے۔ مگر دونوں کے باہمی تعاون کے بغیر معاشرے کی ترقّی ممکن نہیں۔ مرد ہو یا عورت، ہر ایک اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ صرف مرد ہی معاشرے کی ترقّی کے لیے اہم کردار ادا کرتا ہے، بلکہ زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں عورت کا بھی بڑا حصہ ہے۔

ذرا دیکھو تو! عورت انسانیت کے لیے کیا کچھ نہیں کرتی۔ گھر اس کے دم سے جنت بنتا ہے۔ مُعاشرہ اس کے قدم قدم سے پھلتا پھولتا ہے۔ گھر میں عورت بچوں کو صفائی ستھرائی اور آدابِ زندگی سکھاتی ہے۔ گھر



سے باہر وہ مدرسہ ہو یا ملک کی سربراہ، مردوں کے شانہ بہ شانہ ملک کی ترقی میں بھرپور حصہ لیتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ مرد کی سب سے بڑی ساتھی ہے۔ تعلیمی درس گاہ ہو یا ہسپتال، بینک ہو یا تجارتی مرکز، سائنسی لیبارٹری ہو یا میڈیکل ادارہ، اعلیٰ سائنسی مرکز ہو یا خلائی سفر، ہر جگہ عورت بہت عمدگی سے کام کرتی نظر آتی ہے۔

اسلامی تاریخ عورتوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں میدان جنگ میں بھی جاتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی بھی کرتی تھیں۔ سپاہیوں کو پانی بھی پلاتی تھیں۔

پاکستان کا ایک بڑا مسئلہ تعلیم کی کمی ہے۔ عورتوں کو پڑھانے سے تعلیم میں اضافہ ہوگا۔ پڑھی لکھی ماں اپنے بچوں کو بہتر تعلیم و تربیت دے سکتی ہے۔ ان کی بہتر پرورش کر سکتی ہے۔ کتاب کے بغیر بھی چھوٹے بچوں کو بہت سی باتیں سکھائی جا سکتی ہیں۔ یہ کام عورت ہی کر سکتی ہے۔ پڑھی لکھی ماں باتوں باتوں میں بچوں کو زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی ہے۔ بچپن میں ماں کی زبانی سنی ہوئی باتیں اور خیال ساری زندگی اولاد کے کام آتی ہیں۔ چھوٹے بچوں کو پڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے خوب سلیقہ دیا ہے۔ وہ بچوں میں شفقت و محبت کے ذریعے علم کی لگن پیدا کر سکتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔

مشق

۱۔ بچے کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں ماں کا کیا حصہ ہے؟

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کس کے قدموں تلے بتائی ہے؟

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں گھر کے کام کاج کے علاوہ اور کیا کیا کام کرتی تھیں؟

۴۔ آج کل عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ کیا کیا کام کرتی ہیں؟

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ اور محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

[illegible]

۶۔ دیے ہوئے الفاظ سے خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

(شانہ بہ شانہ ۔ کارناموں ۔ جنت ۔ عورت ۔ تعلیم)

(الف) .... کے تعاون کے بغیر معاشرے کی ترقی ممکن نہیں۔

(ب) گھر عورت کے دم سے .... بنتا ہے۔

(ج) اسلامی تاریخ عورتوں کے .... سے بھری پڑی ہے۔

(د) عورتوں کو پڑھانے سے .... میں اضافہ ہوتا ہے۔

(ہ) عورتیں مردوں کے .... ملکی ترقی میں حصہ لیتی ہیں۔

حد سے نہ بڑھو، میانہ روی اختیار کرو

درختوں نے کہا

گرمیوں کی ایک دوپہر تھی۔ گاؤں کی فضا خاموش تھی۔ ایسے میں ایک بچہ ہاتھ میں کتاب لیے اپنے مکان سے نکلا اور قریب کے ایک باغ میں ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنا سبق یاد کرنے لگا۔ ذرا سستی آئی تو درخت کے تنے سے پُشت لگالی۔ باغ میں چاروں طرف درخت کھڑے تھے۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگا۔ یہ درخت بھی عجیب چیز ہیں، صُبح سے شام تک بس آرام سے اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں، میں بہت کام کرتا ہوں۔ کھیتی باڑی کا کام، اسکول کا کام، گھر کا کام، غرض صبح سے شام تک کام ہی کام۔ ہمی



وہ اپنے کام ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ باغ کی خوش گوار اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے اسے نیند آگئی۔ درخت اب بھی اس کے سامنے تھے۔ اس نے دیکھا کہ درختوں نے بولنا شروع کردیا ہے۔

وہ جس درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا سب سے پہلے اس نے بات شروع کرتے ہوئے کہا:

میرے ننھے دوست! اللہ نے جہاں تمھیں اور بہت سی نعمتیں مثلاً ہوا، پانی، اور دھوپ وغیرہ عطا فرمائی ہیں، وہاں اس نے ہمیں بھی تمھاری خدمت پر مامور کیا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم ہمیشہ یوں ہی کھڑے رہتے ہیں؟ یہ صحیح ہے کہ ہم اونٹوں، گھوڑوں اور موٹروں کی طرح چلتے پھرتے نہ بھاگتے دوڑتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم نکمے اور بیکار ہیں۔ گرمی کے موسم میں جب تم اسکول سے گھر آتے ہو تو ہم رستے میں تم پر سایہ کرتے ہیں، بارش کے موسم میں جب تمھیں کوئی جائے پناہ نہیں ملتی تو سیدھے ہماری طرف بھاگے

آتے ہو اور جب تک مینہ برستا رہتا ہے آرام سے ہمارے نیچے کھڑے برسات کے حسین مناظر سے لطف اُٹھاتے ہو۔ پھر ہم تمھیں ہر موسم میں پھل پھلاری بھی پیش کرتے ہیں۔ کبھی آم، کبھی امرود، کبھی آلو بخارے، کبھی خوبانی اور کبھی انگور، کبھی کچھ، کبھی کچھ۔



دوسرے درخت نے پہلے کی تائید کی، کہنے لگا: "بعض پھل تو ہم تمھیں ایسے دیتے ہیں کہ ایک بار خرید لاؤ اور مہینوں کھاتے رہو۔ خراب ہونے کا کوئی خطرہ ہی نہیں۔ کیا بادام، اخروٹ، پستے وغیرہ ایسے ہی پھل نہیں ہیں؟" ابھی دوسرا اپنی بات ختم نہیں کرپایا تھا کہ تیسرے نے بولنا شروع کردیا:

تمھارے مکان کے دروازے، کھڑکیاں، میزیں، کرسیاں اور دوسری ضرورت کی چیزیں مثلاً اوزار، گاڑیاں، تانگے، ٹرک اور ٹھیلے وغیرہ جس لکڑی سے بنائے جاتے ہیں، وہ بھی تو ہمیں سے حاصل کی جاتی ہے۔



اس کے علاوہ آگ جلانے کے لیے تمھیں لکڑی اور کوئلے کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی ہم ہی فراہم کرتے ہیں۔"

تیسرا سانس لینے کو رکا تو چوتھے نے بولنا شروع کر دیا: "ہم سے تمھیں بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ ربڑ جس سے تم اپنے غلط الفاظ اور بھدے مٹاتے ہو اور یہ گوند جس سے تم اپنی کاپیوں میں خوب صورت تصویریں چپکاتے ہو یہ چیزیں بھی تو ہمیں نے تمھیں دی ہیں۔"

"اور یہ کاغذ" پانچویں نے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی تو اکثر ہم ہی سے بنتا ہے۔ اگر کاغذ نہ ہو تو کتابیں اور کاپیاں نہ ہوں۔ کتابیں نہ ہوں تو علم نہ ہو اور علم نہ ہو تو انسان اور جانور میں کیا فرق رہ جائے۔"

اب چھٹے درخت نے بولنا شروع کیا:

"تمھاری زندگی اور صحت کا دارومدار صاف ہوا پر ہے۔ ہم گندی ہوا اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور تمھارے لیے صاف ہوا مہیا کرتے ہیں تاکہ تم صحت مند رہو۔"

ساتواں بولا: "ہماری وجہ سے بارش ہوتی ہے موسم خوش گوار رہتا ہے، زمین خوب صورت نظر آتی ہے، پرندے بھی ہم پر بسیرا کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہم بیماری میں بھی تمھارا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ ہمارے ہی پھلوں، پھولوں، پتوں، جڑوں اور چھال سے دوائیں بنتی ہیں۔ جنھیں پی کر تم دوبارہ بھلے چنگے ہو جاتے ہو۔ لیکن بعض انسان دشمن لوگ ہم درختوں اور پودوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے صحت کے لیے نقصان دہ چیزیں بھی بنانے لگے ہیں۔ ایسی چیزوں کو منشیات کہتے ہیں۔ ناسمجھی کی وجہ سے آج کل منشیات کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ سگریٹ نوشی بھی منشیات میں داخل ہے۔ اس برائی میں بڑوں کو تو چھوڑو، بچے بھی پھنستے جا رہے ہیں۔ منشیات کے عادی لوگوں کی صحت روز بروز خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس سے پیسوں کا بھی نقصان ہوتا ہے اور خاندان کے افراد الگ پریشان۔ بے روزگاری الگ پھیلتی ہے۔ ایسے لوگوں کو تم نے بازاروں اور گلیوں میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے گندی چیزیں چنتے دیکھا ہوگا۔ یہی نہیں، ایسے لوگ دوسری بری عادتوں مثلاً جھوٹ بولنے یا چوری کرنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تم خود بھی ان بری چیزوں سے دور رہو اور اپنے دوستوں کو بھی ان چیزوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہو۔"

اتنے میں ایک بوڑھے درخت نے شفقت سے کہا:

لیکن بیٹے! اللہ نے جہاں ہمیں تمھاری خدمت پر مقرر کیا ہے، وہاں اس نے تمھیں بھی تو یہ حکم دیا ہے کہ ہم سے فائدہ اُٹھانے کے لیے تم بھی ہماری کچھ نہ کچھ خدمت اور دیکھ بھال کرو۔ راہ چلتے ہوئے ہماری ٹہنیاں نہ توڑو، پتے نہ نوچو اور کھیل ہی کھیل میں نرم و نازک پودوں کو زمین سے نہ اکھاڑو۔ نکیلی چیزوں سے ہم پر اپنے نام نہ کھودو۔ ہمیں تکلیف پہنچانے سے پہلے ذرا یہ تو سوچ لیا کرو کہ کس طرح ایک ننھا سا بیج زمین میں بویا جاتا ہے اور پھر اس بیج میں سے نکلنے والا نرم پودا کس طرح سخت زمین کو پھاڑ کر نکلتا ہے اور پھر وہ کیسے مٹی،



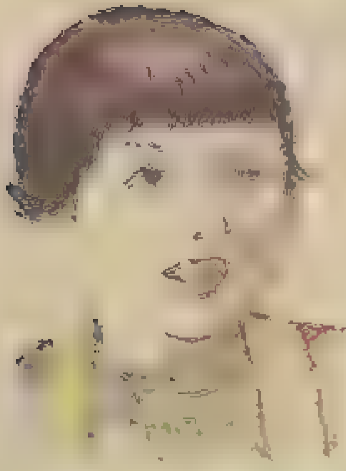
پانی، ہوا اور دُھوپ کی مدد سے بڑھتا اور ایک بڑا درخت بن جاتا ہے۔ تمھیں چاہیے کہ ہمیں نقصان پہنچانے کے بجائے ہر طرح ہماری حفاظت اور دیکھ بھال کرو۔ ہماری تعداد بڑھانے کی کوشش کرو تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ تمھارے کام آسکیں اور تمھاری ترقی میں مددگار ثابت ہوں۔'

ایک اور درخت نے بچے کو سمجھاتے ہوئے کہا: 'اور بیٹے! تم مسلمان بچے ہو۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے آخری رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے انسانوں اور حیوانوں کی طرح درختوں کو بھی نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے اور تم نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کتنے شوق سے درختوں کو پانی دیا کرتے تھے۔ تمھیں تو ان بزرگ ہستیوں کا نام لیوا ہونے کی حیثیت سے ہمارا اور بھی زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔"

ابھی درختوں کی گفتگو کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ عصر کی اذان کی آواز فضا میں گونجی۔ جس سے بچّے کی آنکھ کھل گئی اور اس کی آنکھ کھلتے ہی آس پاس کھڑے ہوئے سب درخت نہ جانے کیوں ایک دم خاموش ہوگئے۔

مشق

۱۔اللہ تعالیٰ نے درختوں کو کس طرح ہماری خدمت پر مامور کیا ہے؟
۲۔پھل دار درختوں کے نام لکھیے۔
۳۔زیادہ سے زیادہ درخت اگانے کے کیا فائدے ہیں؟
۴۔درختوں کی حفاظت کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟
۵۔ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:
مامور ۔ فراہم ۔ بھلے چنگے ۔ نکمے ۔ مددگار۔
۶۔یہ الفاظ جمع ہیں ان کے واحد بنائیے:
نعمتیں ۔ مناظر ۔ الفاظ ۔ بندے ۔ منشیات ۔ ہستیوں۔
۷۔آپ اسی انداز کا واقعہ "مشینوں نے کہا" کے عنوان سے لکھیے۔
۸۔ایک مختصر مضمون درختوں کے فوائد پر لکھیے۔




جاگا جاگا پاکستان

اپنے مزدور اور کسان
جنت اپنا ہر کھلیان
جاگا جاگا پاکستان

اپنی مٹی ہے لاثانی شہد ہے اپنا بہتا پانی
اپنی خاک پہ ہم [illegible]
جاگا جاگا پاکستان

رات کے کالے بندھن ٹوٹے گھر گھر نور کے چشمے پھوٹے
چمکا اپنا سبز نشان
جاگا جاگا پاکستان

محکم ہے ہر عزم ہمارا ہم کو ہے طوفاں بھی کنارا
اپنی ہمت ایک چٹان
جاگا جاگا پاکستان




مشق

۱- اس نظم میں شاعر نے وطن پاکستان کی کیا کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟
۲- ان الفاظ کے معنی بتائیے اور جملوں میں استعمال کیجیے: کھلیان - چٹان - عزم محکم۔
۳- اس نظم کو زبانی یاد کیجیے
۴- ان الفاظ سے پہلے ان کی صفات لکھیے:-
...... پانی - ...... بندھن - ...... نشان۔

عالم سے چند لمحوں کی گفتگو برسوں کے مطالعے سے بہتر ہے

منگھوپیر کی سیر

ظفر اور محمد بچل میں گہری دوستی تھی۔ ظفر کراچی کے محلے ناظم آباد میں رہتا تھا۔ محمد بچل کئی بار اُس کے گھر جا چکا تھا لیکن وہ کبھی محمد بچل کے گاؤں منگھوپیر نہیں جا سکا تھا۔ طے یہ پایا کہ اس مرتبہ کھجوروں کا میلا دیکھنے کے لیے وہ ضرور منگھوپیر جائے گا۔

ظفر جیسے ہی کلاس میں داخل ہوا، بچل نے اس سے کہا: "ظفر! کل کے لیے اپنے ابو سے اجازت لے لینا، میں تمھیں لینے آؤں گا۔ اس مرتبہ تمھیں میرے ساتھ ضرور چلنا ہوگا۔" ظفر نے کہا: "ضرور چلیں گے۔"

چھٹی کے بعد جب ظفر نے محمد بچل کو بتایا کہ وہ اپنے والد سے منگھوپیر جانے کی اجازت پہلے ہی حاصل کر چکا ہے تو محمد بچل بہت خوش ہوا اور بولا: "پھر میں کل صبح سویرے تمھیں لینے آجاؤں گا۔" ظفر نے کہا: "نہیں اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے، میں خود ہی پہنچ جاؤں گا۔ بس لی مارکیٹ ہی سے روانہ ہوتی ہے نا؟" "ہاں، لی مارکیٹ سے جلد ذرا ٹھیک مل جائے گی۔" محمد بچل نے کہا: "میں تمھارا کس وقت انتظار کروں؟"

"میں نمازِ فجر کے فوراً بعد روانہ ہو جاؤں گا۔" ظفر نے جواب دیا۔ "تو پھر ہم لوگ ناشتا ساتھ ہی کریں گے۔" محمد بچل نے ہاتھ ملا کر رُخصت ہوتے ہوئے کہا۔

بس، شہر سے نکل کر شمال کی جانب منگھوپیر پہنچی محمد بچل ظفر کے استقبال کے لیے بس سٹاپ پر موجود تھا۔ جیسے ہی ظفر بس سے اُترا، محمد بچّل نے سلامُ علیکُم کہ کر ہاتھ ملایا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے گھر جا پہنچے، جہاں محمد بچّل کے والدین ظفر کا انتظار کر رہے تھے۔ پہلے محمد بچّل کی امی نے انھیں ناشتا کرایا۔ پھر سیر کو جانے کی اجازت دی۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے خوشی خوشی گھر سے روانہ ہوئے۔

محمد بچل نے کہا: "منگھوپیر میں دو بستیاں ہیں ایک سرد کنڈی دوسری گرم کنڈی۔ سرد کنڈی میں ایک بزرگ حضرت منگھوپیر کا مزار ہے جن کی وجہ سے یہاں اسلام پھیلا اور جن کے نام پر اس بستی کا نام منگھوپیر پڑا۔"

"چلو پہلے اُنھی کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہیں۔" ظفر نے کہا۔

دونوں نے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ قریب ہی ایک بند تھا جب دونوں وہاں پہنچے تو محمد بچل نے کہا: "پہلے اس تالاب میں بہت سے مگرمچھ تھے اور لوگ دور دور سے انھیں دیکھنے آتے تھے۔"



بند سے اُترتے ہوئے ظفر نے محمد بچل سے پوچھا۔ "اور وہ تمھارا کھجوروں والا باغ کدھر ہے؟ جس کی کھجوریں تم پچھلے سال میرے لیے لائے تھے۔"

"وہ یہاں سے ذرا فاصلے پر ہے۔ اُدھر ان شاء اللہ عصر کے وقت چلیں گے۔" محمد بچل نے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر چشموں کی طرف چلیں۔" ظفر بولا "تم کہتے تھے نا کہ ایک چشمہ ایسا ہے جہاں کوڑھ کے مریض نہاتے ہیں تو ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ وہ کس کنڈی میں ہے؟"

"ہاں ہم اُسی طرف چل رہے ہیں۔ وہ گرم کنڈی میں ہے۔" محمد بچل نے کہا: "وہ دیکھو ایک عمارت سی نظر آرہی ہے نا، وہی لیپرسی باتھ یا کوڑھیوں کا چشمہ ہے۔ اُس کا پانی اس قدر گرم ہے کہ اس میں کوڑھ کے مریضوں کے علاوہ کوئی اور شخص اُتر بھی نہیں سکتا اور وہ اس طرف جو عمارت ہے وہ کوڑھ کے مریضوں کا اسپتال ہے جس میں تین سو مریضوں کے رہنے کی گنجائش ہے۔"

"یہاں تو کئی ایک چشمے ہیں نا؟" ظفر نے پوچھا۔

"ہاں وہ سامنے جو خوب صورت سا تالاب ہے وہ حمام باتھ ہے۔ اس کا پانی کم گرم ہے۔ اس میں دو چشمے

آ کر ملتے ہیں۔ ایک گرم ایک ٹھنڈا۔ صُبح کے وقت تو اس کا پانی بہت ہی گرم ہوتا ہے۔ پھر جیسے جیسے لوگ نہاتے جاتے ہیں، اس کی حرارت کم ہوتی جاتی ہے۔ اس میں نہانے کے کچھ پیسے لگتے ہیں۔ کیا خیال ہے نہاؤ گے؟ میں تو اس میں اکثر نہاتا ہوں۔" محمد بچل نے مسکرا کر ظفر کو نہانے کا شوق دلایا۔

"نہیں، نہیں، اس مرتبہ نہیں، اگلی بار آؤں گا تب نہائیں گے۔" ظفر نے جواب دیا۔

"دیکھیں اب تم کب آتے ہو۔ سال بھر اِصرار کرنے پر تو آج آئے ہو۔" محمد بچل نے کہا "یہ ایک اور چشمہ آگیا ہے۔ اسے مارٹن باتھ کہتے ہیں۔ یہاں مُفت نہایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا پانی بھی بس معمولی سا گرم ہے۔ ان تینوں چشموں کے علاوہ یہاں دو چشمے اور بھی ہیں۔ مگر ان میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اچھا چلو اب گھر چلتے ہیں۔ عصر کے وقت میلے کی سیر کے لیے چلیں گے۔

گھر پہنچ کر محمد بچل نے ظفر کو اپنی کتابوں کی الماری دکھائی اور اپنی پسندیدہ کتابوں میں سے قصے سُنانے شروع کیے۔ ابھی اس نے دو چار ہی قصے سُنائے ہوں گے کہ اس کی امّی نے انھیں کھانے کے لیے بلا لیا۔ کھانا کھا کر وہ دونوں محمد بچل کے کمرے میں واپس آگئے اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

عصر کی اذان سُن کر دونوں نماز کے لیے مسجد گئے اور وہاں سے نکل کر کھجور کے باغوں کا رُخ کیا۔ جہاں سے ڈھول بجنے کی آواز آرہی تھی۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ میلے میں بڑی چہل پہل ہے۔ ایک جانب دکان دار اپنا



سامان پھیلائے بیٹھے ہیں، دوسری طرف پکوڑے تلے جا رہے ہیں، تیسری جانب بچے چکر کے جھولے میں جھول رہے ہیں۔ لیکن بہت زیادہ بھیڑ وہاں تھی جہاں سے ڈھول بجنے کی آواز آ رہی تھی محمد بچل نے ظفر کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف کھینچتے ہوئے کہا ادھر آؤ، اصل تماشا یہاں ہو رہا ہے۔ اور واقعی ظفر کے لیے یہ ایک انوکھا منظر تھا۔ لوگوں کے درمیان ایک شخص کھڑا ڈھول پیٹ رہا تھا۔ اس کے آس پاس بہت سے شیدی ناچ رہے تھے۔ انھوں نے اپنے چہروں کو مختلف طریقوں سے رنگا ہوا تھا اور سروں کو پروں سے سجا رکھا تھا۔ ڈھول کی آواز کے ساتھ وہ بے تحاشا اچھل کود رہے تھے۔ ظفر ہر ایک کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ کسی کے چہرے پر انتہائی خوشی کے آثار تھے تو کوئی چہرہ بالکل سنجیدہ تھا۔ چند ایک نے اپنے چہروں کو ڈراؤنا بنایا تھا۔ وہ سب ناچنے کے ساتھ ساتھ شور بھی مچا رہے تھے۔ اس نے تعجب سے محمد بچل سے پوچھا یہ لوگ کب تک ناچتے رہیں گے؟"

جب تک اندھیرا نہیں ہو جائے گا۔ محمد بچل نے جواب دیا۔ جو لوگ زیادہ تھک جاتے ہیں وہ کچھ دیر سستانے کے لیے ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں اور دوسرے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔

محمد بچل اور ظفر یہ تماشا دیکھنے میں اس قدر محو تھے کہ انھیں وقت کا خیال نہیں رہا۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان کی آواز آئی تو دونوں نے قریب کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی۔ ظفر نے اپنی چھوٹی بہن کے لیے کچھ کھلونے خریدے اور پھر دونوں واپس گھر آگئے۔

ظفر نے جب محمد بچل کی امی سے واپسی کی اجازت چاہی تو انھوں نے اصرار کیا کہ وہ رات کا کھانا کھا کر جائے۔ مگر اس نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ عصر کی چائے کے ساتھ کھجوریں کچھ زیادہ کھا لینے کی وجہ سے اسے بھوک نہیں رہی۔ چلتے ہوئے محمد بچل کی امی نے ایک ٹوکری اس کے ساتھ کر دی۔ ظفر نے پوچھا چچی جان! یہ کیا ہے؟ وہ بولیں تم نے خود تو کھجوریں کھا لیں، اپنے بہن بھائیوں کے لیے نہیں لے جاؤ گے؟ اتنے میں محمد بچل نے جلدی جلدی صدر مدرس کے نام ایک دن کی چھٹی کی درخواست لکھی۔ بس روانہ ہونے سے پہلے ظفر نے محمد بچل سے ہاتھ ملایا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ محمد بچل نے بس میں چڑھتے چڑھتے ظفر کو اپنی درخواست دی کہ وہ ماسٹر صاحب کو دے دے۔

محمد بچّل کی درخواست

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۴ اپریل ۲۰۰۹ء

جنابِ صدر مدرّس صاحب
اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ کل مجھے اپنے چچازاد بھائی کی شادی میں شرکت کرنی ہے۔ مہربانی فرما کر ایک دن کی رخصت عنایت فرمائی جائے۔ نوازش ہوگی۔ فقط

آپ کا فرماں بردار شاگرد
محمد بچّل
مُتَعَلِّم جماعت پنجم

مشق

۱۔ منگھوپیر کی بستی کراچی سے کس جانب اور کتنے فاصلے پر واقع ہے؟
۲۔ بستی کا نام منگھوپیر کیسے پڑا؟
۳۔ "لیپرس باتھ" کی کیا خصوصیت ہے؟
۴۔ میلے کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے۔
۵۔ ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
صبح سویرے۔ چشمہ۔ اصرار۔ بے تحاشا۔ ستانا۔

دریائے سندھ کی کہانی

دریائے سندھ دنیا کے بڑے دریاؤں میں سے ایک ہے۔ یہ دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ ہمالیہ سے نکلتا ہے اور جیسے جیسے پہاڑ سے نیچے آتا جاتا ہے برف کا پگھلا ہوا پانی اس میں شامل ہو کر اس کی قوت میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ چٹانوں سے ٹکراتا، لڑھکتا، پھسلتا کشمیر کی سرسبز وادی کے اس علاقے میں



داخل ہوجاتا ہے، جس کا نام گلگت ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں پاکستان اور چین کی سرحدیں ملتی ہیں۔ یہاں اس میں دریائے گلگت شامل ہوتا ہے اور کچھ آگے چل کر افغانستان سے آنے والا دریائے کابل بھی اپنا پانی اس میں انڈیل دیتا ہے۔ اسی حالت میں یہ اٹک تک پہنچتا ہے۔ کیوں کہ گلگت سے اٹک تک کا زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے۔ اس لیے اس سارے راستے میں اس کی چوڑائی تو زیادہ نہیں ہوتی البتہ گہرائی اور رفتار بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ کالا باغ پہنچتا ہے۔ یہاں سے میدانی علاقہ شروع ہوجاتا ہے اور یہ اپنا پاٹ چوڑا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پھیلاؤ کی وجہ سے رفتار میں خاصی کمی واقع ہوجاتی ہے۔ لیکن بہاول پور میں مٹھن کوٹ کے مقام پر جب اس میں پنجاب کے دریاؤں کا پانی آ کر ملتا ہے تو پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ تیزی میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ مٹھن کوٹ سے ٹھٹھے تک یہ اسی طرح بہتا ہوا آتا ہے۔ ٹھٹھے سے آگے بڑھ کر اس کا پانی کئی شاخوں میں تقسیم ہو کر کیٹی بندر کے مقام پر بحیرۂ عرب میں جا گرتا ہے۔ اس طرح دریائے سندھ کا دو ہزار سات سو بیس کلومیٹر کا طویل سفر ختم ہوجاتا ہے۔

پاکستان کی زرعی پیداوار کا دارومدار زیادہ تر اسی دریا پر ہے۔ اس پر مختلف مقامات پر بیراج تعمیر کیے

گئے ہیں جن کی مدد سے اس کا پانی نہروں کے ذریعے دُور دراز علاقوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ جہاں یہ بنجر علاقوں کو کھیتوں اور باغوں میں تبدیل کرتا ہے۔

دریائے سندھ پر جناح بیراج، تونسہ بیراج، گدّو بیراج، سکّھر بیراج اور کوٹڑی بیراج بنائے گئے ہیں۔ ان بیراجوں کے علاوہ صوبہ سرحد میں تربیلا کے مقام پر ایک بہت بڑا بند بھی تعمیر کیا گیا ہے جو تربیلا بند کہلاتا ہے اور مٹّی کی بھرائی کے ذریعے بنائے جانے والے بندوں میں یہ دنیا کا سب سے بڑا بند شمار ہوتا ہے۔ اس

کے ذریعے اتنا ہی پانی آگے بھیجا جاتا ہے جتنی ضرورت ہو۔ باقی پانی اس وسیع بند میں محفوظ رہتا ہے۔ اس بند کا پانی کافی بلندی سے نیچے گرتا ہے جس کی مدد سے بجلی پیدا کرنے والی مشینیں چلائی جاتی ہیں۔ کارخانوں کے لیے بجلی اور فصلوں کے لیے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ اس بند کی وجہ سے پاکستان کا ایک بہت بڑا علاقہ روشنی بھی حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ بند اور بیراج نہ ہوں تو دریا کا قیمتی پانی یوں ہی بہتا ہوا سمندر میں جا گرے۔

دریائے سندھ دُنیا کے قدیم ترین دریاؤں میں سے ایک ہے۔ پُرانے زمانے میں اس کا نام مہران تھا۔ اُس زمانے میں خشکی کے راستے پُرخطر تھے۔ اس لیے لاہور سے ٹھٹھے تک کا سفر اسی دریا کے ذریعے ہوتا تھا۔ اسی کے ذریعے تجارتی سامان لایا لے جایا جاتا تھا اور اسی کے ذریعے بڑے بڑے لشکر ادھر سے اُدھر آتے جاتے تھے۔ غرض تجارت ہو یا زراعت، امن ہو یا جنگ ہر لحاظ سے اس دریا کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ البتہ اپنا راستہ بدلتے رہنے کی وجہ سے بعض مرتبہ یہ دریا شہروں اور دیہاتوں کی آبادی کے بجائے ان کی بربادی کا سبب بھی بن جاتا تھا۔ بعض شہر اس کے سیلاب کی نذر ہوجاتے تھے اور بعض اس کے دور ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوجاتے تھے۔



اب اس کے رُخ بدلنے کے سلسلے کو مضبوط پُشتے بنا کر روک دیا گیا ہے۔ پھر بھی جہاں کوئی پُشتہ کمزور ہوتا ہے یہ اُسے کاٹ کر آس پاس کے دیہاتوں میں تباہی مچا دیتا ہے۔ لیکن یہ نقصان ان فائدوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو ہمیں دریائے سندھ سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ دریاؤں کے پُشتوں کو مضبوط بنائیں اور اس کام میں سرکاری اداروں کی مدد کریں۔ دریاؤں، نہروں اور کھیتوں کے کنارے بنجر زمینوں میں درخت لگائیں تاکہ زمین کے کٹاؤ کو روکا جا سکے۔

مشق

۱۔ دریائے سندھ میں کن کن دریاؤں کا پانی شامل ہوتا ہے؟
۲۔ دریائے سندھ کے بیراجوں کے نام بتائیے؟
۳۔ دریائے سندھ سے حاصل ہونے والے فائدے لکھیے۔
۴۔ قدیم زمانے میں دریائے سندھ کا کیا نام تھا اور اس کی اہمیت کیوں زیادہ تھی؟
۵۔ جملے مکمل کیجیے:

(۱) دریائے سندھ کا پانی .... کے ذریعے دُور دُور تک پہنچایا جاتا ہے۔
(۲) دریائے سندھ .... کے علاقے میں پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔

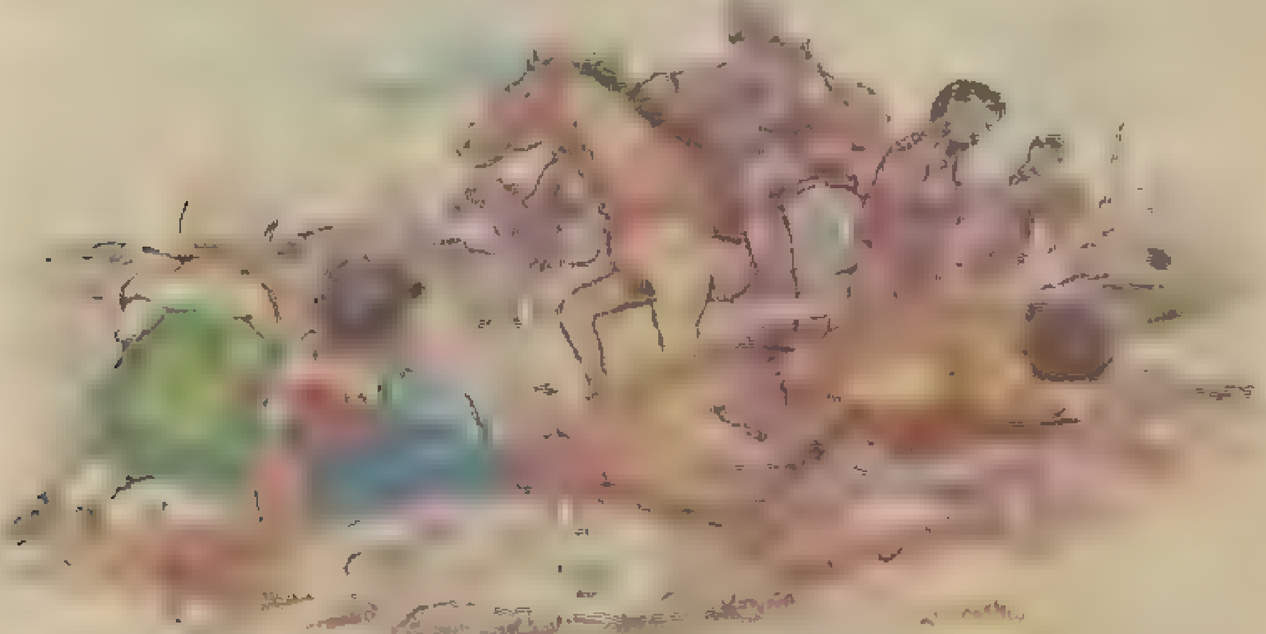
۶۔ ذیل کے الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

[illegible]

فاطمہ بنتِ عبداللہ

فاطمہ بنتِ عبداللہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کے والد عبداللہ طرابلس یعنی لیبیا کے ایک عرب قبیلے کے سردار تھے۔ وہ نہایت نیک اور بہادر انسان تھے۔ فاطمہ کی والدہ بھی ایک دین دار خاتون تھیں۔ اپنے نیک والدین کی تربیت میں رہ کر فاطمہ ایسی اچھی عادتوں کی مالک بن گئی تھی کہ قبیلے کے سارے لوگ اس کی تعریف کرتے تھے۔

فاطمہ اور اس کے والدین کی زندگی ہنسی خوشی گزر رہی تھی کہ لیبیا پر ایک ناگہانی آفت نازل ہوئی۔ ہوا یہ کہ انگریزوں کی شہ پا کر پڑوسی ملک اٹلی نے لیبیا پر حملہ کر دیا۔ لیبیا کے عرب قبائل آخری دم تک دشمن کا مقابلہ کرنے کا عزم کر کے اپنے مورچوں میں جا ڈٹے۔ مرد تو مرد عورتوں اور بچوں تک نے اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عورتوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام سنبھال لیا اور بعض بچے زخمی مجاہدین کو پانی پلانے لگے۔ ان



پانی پلانے والی بچیوں میں فاطمہ بنتِ عبداللہ بھی شامل تھی۔ وہ اپنا چھوٹا سا مشکیزہ کمر پر ڈالے بڑی ذمے داری سے اپنا فرض انجام دیتی رہی۔ اس کے سر کے بال گرد سے اٹ گئے تھے، لباس خون آلودہ ہو گیا تھا۔ اس کے معصوم چہرے پر دھوئیں اور پسینے کی تہ جم گئی تھی، مگر وہ توپوں کی کھن گرج اور گولیوں کی بوچھار سے بے پروا ہر جگہ زخمی مجاہدین کو پانی پلانے پہنچ جاتی۔

ایک دن دشمن نے اپنی تازہ دم فوج کے ذریعے مجاہدین پر حملہ کیا۔ مگر عرب مجاہدین نے نہ صرف اس حملے کو روکا بلکہ اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ دشمن کے پیر اکھڑنے لگے۔ عربوں کی اس بہادری نے ایک ترک فوجی افسر احمد نوری بیگ کو ایسا جوش دلایا کہ وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا اس کے توپ خانے تک جا پہنچا۔ چوں کہ اس کے ساتھ چند ہی جیالے مجاہد تھے۔ اس لیے دشمنوں نے پلٹ کر انھیں گھیر لیا اور ان میں سے چار کو زخمی کر دیا۔ باقی لوگ دشمن کا گھیرا توڑ کر نکل آئے اور اپنے لشکر سے آ ملے۔

فاطمہ بھی بہادرانہ جوش میں مجاہدوں کے ساتھ ساتھ وہاں تک جا پہنچی تھی۔ وہ دشمنوں کی موجودگی ہی میں ان مجاہدین کو پانی پلانے آگے بڑھی۔ اُسے آگے بڑھتے دیکھ کر ایک سپاہی نے اُس کا مشکیزہ چھین لیا۔ فاطمہ نے لاکھ کوشش کی کہ فوجی سے مشکیزہ واپس چھین لے۔ مگر کہاں ایک طاقت ور فوجی اور کہاں یہ معصوم بچی۔ بالآخر فاطمہ کو ایک ترکیب سوجھی۔ اُس نے قریب پڑے ہوئے ایک فوجی کی لاش کے پہلو سے تلوار نکال کر اس پھرتی سے اُس فوجی کے ہاتھ پر ماری کہ ہاتھ کٹ کر دور جا گرا۔ دوسرے ہی لمحے مشکیزہ فاطمہ کے کندھے پر تھا اور وہ زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ مشکیزہ ایک زخمی مجاہد کے منہ سے لگائی کسی بزدل دشمن سپاہی کے طمنچے سے گولی نکلی اور فاطمہ بنت عبداللہ تڑپ کر زمین پر آ رہی۔

مجاہدین جب دشمن کو دھکیلتے ہوئے اُس مقام پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ چار شہید مجاہدوں کے درمیان ایک معصوم بچّی دوسروں کو پانی پلاتے ہوئے خود جامِ شہادت نوش کر چکی ہے۔ وہ اب بھی مشکیزے کا منہ اس طرح تھامے ہوئے تھی گویا کہہ رہی ہو کہ دیکھو میں نے اپنی زندگی کے آخری سانس تک اپنا فرض پورا کیا ہے۔

آج لیبیا ہی میں نہیں ساری اسلامی دُنیا میں فاطمہ بنت عبداللہ کا نام عزّت سے لیا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس پر ایک بہت اچھی نظم لکھی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:۔

فاطمہ! تُو آبروئے ملّتِ مرحُوم ہے
ذرہ ذرّہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے

مشق

۱۔ فاطمہ نامی تین مشہور خواتین کے پورے نام لکھیے۔
۲۔ فاطمہ بنتِ عبداللہ دشمنوں کے درمیان کس طرح گھر گئی تھی؟
۳۔ ذیل کے محاورات اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
ڈٹ جانا ۔ گرد میں اَٹ جانا ۔ دانت کھٹے کردینا
۴۔ مندرجہ ذیل مؤنّث اَسماء کے مُذکّر لکھیے:
مُجاہدہ ۔ بچی ۔ عورت ۔ اکلوتی ۔ ملکہ ۔ استانی ۔ گولی۔
۵۔ موصوف اور صِفَت الگ الگ خانوں میں لکھیے:
بہادر انسان ۔ معصوم مُجاہدہ ۔ پرہیزگار خاتون ۔ زخمی مُجاہد۔
[illegible]
[illegible]

موصوف	صفت

بہار آئی

بدل گئی شکل خشک و تر کی نئی تھی پوشاک ہر شجر کی
ہوا نے جب عام یہ خبر کی بہار آئی ، بہار آئی
بہار آئی ، بہار آئی

ساز چشموں کے بج رہے ہیں تو باغ پھولوں سے سج رہے ہیں
خزاں کے انداز تج رہے ہیں کہ اب ہے فصلِ بہار آئی
بہار آئی ، بہار آئی

جو بلبلوں نے زبان کھولی ، ہے دوست تو ، فاختہ بھی بولی
ادھر سے اک قمریوں کی ٹولی قطار اندر قطار آئی
بہار آئی ، بہار آئی

چمن میں سبزے کا لہلہانا حسین کلیوں کا مسکرانا
خوشی سے بچوں کا کھلکھلانا لیے مناظر ہزار آئی
بہار آئی ، بہار آئی

جوان تانیں اڑا رہے ہیں بزرگ بھی مسکرا رہے ہیں
سب اس کی خوشیاں منا رہے ہیں یہ سب کا بن
بہار آئی ، بہار آئی

مشق

۱۔ شجر کی نئی پوشاک سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۲۔ موسم بہار شروع ہونے کی کیا نشانیاں ہیں؟

۳۔ موسم بہار میں ان سب کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ علیحدہ علیحدہ لکھیے:

بوڑھے - جوان - بچے - پھول - درخت

۴۔ ان الفاظ اور محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

پوشاک - خبر عام ہونا - زبان کھولنا - کھلکھلانا - تانیں اڑانا - گنگنانا۔

۵۔ نثر کے جملوں اور نظم کے مصرعوں میں الفاظ کی ترتیب کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔ جملوں میں، فعل، آخر میں آتا ہے جب کہ مصرعوں میں فعل کا آخر میں آنا ضروری نہیں۔ مصرعوں میں بعض الفاظ چھوڑ بھی دیے جاتے ہیں۔

مصرعوں کے الفاظ کو اگر نثر کی ترتیب کے مطابق لکھ لیا جائے تو مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ایسا کرنے کے لیے "فعل" آخر میں رکھنا ہوتا ہے۔ چھوڑے ہوئے الفاظ اپنی جانب سے شامل کرنے ہوتے ہیں۔ اگر پورے بند کو نثر کی ترتیب کے مطابق لکھنا ہو تو اس میں مصرعوں کی ترتیب بھی بدلی جا سکتی ہے۔ مثلاً اس نظم کے پہلے بند کی نثر اس طرح ہوگی:

ہوا نے جب یہ خبر عام کی (کہ) بہار آئی (تو) خشک و تر کی شکل بدل گئی (اب) ہر شجر کی پوشاک نئی تھی۔

اب آپ اس طریقے کے مطابق دوسرے بند کی نثر بنائیے۔

۶۔ بہار سے متعلق کوئی اور شعر اپنے استاد سے معلوم کر کے بیاض میں لکھیے۔

شہری دِفاع

جب کسی ملک کی فوج سرحدوں پر دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں مصروف ہوتی ہے تو شہروں کی حفاظت کرنے، ان کا نظم و نسق قائم رکھنے اور شہروں کو ہوائی حملوں کے نقصان سے بچانے کا کام شہری دِفاع کی تنظیم کرتی ہے۔

شہری دفاع میں جو لوگ کام کرتے ہیں وہ فوج کے دوسرے شُعبوں کی طرح ملازم نہیں ہوتے بلکہ اپنے



شہر اور ملک کی حفاظت کی خاطر یہ کام بغیر تنخواہ کے کرتے ہیں۔ حکومت کے مقرر کیے ہوئے افسر ان رضاکاروں کو اُن کاموں کی تربیت دیتے ہیں جو انھیں جنگ اور امن کے زمانے میں انجام دینے ہوتے ہیں۔

جنگ کے زمانے میں یہ رضاکار شہر کی اہم جگہوں کی حفاظت کے لیے وہاں پہرہ دیتے ہیں۔ ہر علاقے کے شہری دِفاع کے دفتر شہریوں کو ہوائی حملوں کی اطلاع دیتے ہیں اور انھیں حملوں سے بچاؤ کی تدبیریں بتاتے ہیں کہ جب ہوائی حملہ ہو تو لوگ خود کو حملوں کے نقصانات سے کس طرح بچائیں۔ کس طرح حملے کے وقت خندقوں یا تہ خانوں میں چھپیں اور راتوں کو کس طرح روشنی بجھا دیں یا کم کردیں یعنی بلیک آؤٹ کریں۔

رضاکار شہریوں کو مختلف طریقوں سے ہوائی حملے کے خطرے اور خطرے کے ٹل جانے کی اطلاع بھی دیتے ہیں۔ ہوائی حملوں سے زخمی ہونے والوں کو خطرے کی جگہ سے نکالتے اور ابتدائی طبی امداد دیتے ہیں اور اگر کہیں آگ لگ جائے تو اُسے بھی بجھانے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔



شہری دفاع کے رضاکار امن کے زمانے میں بھی بہت سے کام کرتے ہیں۔ مثلاً کہیں آگ لگ جانے یا زلزلہ یا سیلاب آجانے کی صورت میں وہ فوج اور پولیس کے ساتھ مل کر لوگوں کو مصیبتوں سے نجات دلانے کا کام کرتے ہیں۔ پاکستان کے شہروں میں بھی شہری دفاع کے دفتر قائم ہیں۔ اپنے شہر سے محبت کرنے والے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ شہری دفاع کی تربیت حاصل کر کے امن یا جنگ کے زمانے میں اپنے شہر میں رہنے والوں کی مدد کرے۔

مشق

۱۔ جنگ کے زمانے میں شہروں کی حفاظت کا انتظام کون سنبھالتا ہے؟

۲۔ جنگ کے زمانے میں شہری دفاع کے رضاکار شہریوں کو کیا ہدایت دیتے ہیں؟

۳۔ رضاکار جنگ کے زمانے میں کیا کیا کام کرتے ہیں؟

۴۔ امن کے زمانے میں رضاکار کیا کیا کام کرتے ہیں؟

۵۔ ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

[illegible]

۶۔ [illegible] پر ایک پیراگراف لکھیے۔

ٹھٹھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ٹھٹھ

۲۰ مارچ ۲۰۰۱ء

عزیز دوست! السّلامُ علیکم

تم اپنے دل میں سوچتے تو ہو گے کہ طارق کیسا بے مروّت ہے۔ ٹھٹھے گئے پورے دس دن ہو گئے اور خط تک نہیں بھیجا۔ تو پہلے میں تاخیر کی وجہ تحریر کر دوں۔ دراصل تین روز تو گھر کو ٹھیک ٹھاک کرنے اور سامان رکھنے میں لگ گئے۔ چوتھے روز داخلے کے لیے اسکول گیا۔ میں نے اسی روز تمھیں خط لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ پھر خیال آیا کہ تم نے ٹھٹھے کے حالات لکھنے کی فرمائش کی تھی دو ایک روز ٹھٹھہ شہر اور اس کے آس پاس کی جگہیں دیکھ لوں تو خط لکھوں۔

یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ ٹھٹھہ ریل کے راستے پر نہیں ہے۔ اس لیے ہم لوگ حیدر آباد سے بس پر روانہ ہوئے اور قومی شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے ڈھائی گھنٹے میں ٹھٹھے پہنچ گئے۔ ٹھٹھہ شہر سے بہت پہلے سر سبز و شاداب جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے درمیان کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی بستیاں نظر آ رہی تھیں۔ راستے میں کینجھر جھیل کی سیر گاہ بھی پڑی۔ یہ سیر گاہ حکومت نے خاص طور پر بنوائی ہے۔ بس سٹاپ بھی پر

یک بورڈ لگا ہوا ہے جس پر جھیل کا مکمل نقشہ بنا ہوا ہے۔ قریب ہی تفریح کی غرض سے آنے والوں کے لیے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ جمعے کا دن تھا اس لیے جھیل پر پک نک منانے والی کئی ٹولیاں نظر آ رہی تھیں۔ کچھ لوگ کشتیوں میں جھیل کی سیر کر رہے تھے۔ جھیل کا منظر نہایت دل کش تھا۔

اب ٹھٹھے شہر کا حال سنو! جس طرح میں نے دیکھا اُسی ترتیب سے لکھتا ہوں۔ سب سے پہلے ہم مکلی کا قبرستان دیکھنے گئے۔ یہ قبرستان ٹھٹھے سے تقریباً چار کلو میٹر دور ایک پہاڑی پر واقع ہے اور دس کلو میٹر کے



رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ دس کلو میٹر میں کتنی قبریں ہوں گی۔ اس قبرستان کے بعض مقبرے تو فنِ تعمیر، سنگ تراشی، کاشی کاری اور نقاشی کے بہترین نمونے ہیں۔ یہاں ہم نے کئی غیر ملکی سیاحوں کو دیکھا جو مختلف زاویوں سے مقبروں کی تصویریں لے رہے تھے۔

پاس ہی ہاشم آباد کی جدید بستی ہے۔ جس میں سرکاری دفتر، بنگلے اور کالج وغیرہ ہیں۔ اس بستی کا نام سندھ کے مشہور عالم محمد ہاشم ٹھٹھوی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ بستی اور مکلی کے درمیان حکومت نے ایک نہایت خوب صورت اور وسیع و عریض جامع مسجد تعمیر کرائی ہے۔

تاریخی لحاظ سے ٹھٹھہ جنوبی ایشیا کے مشہور ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ اس نے مغلوں کے دور میں بہت ترقی کی۔ اس زمانے میں یہ صنعت و حرفت اور تجارت کا مرکز اور علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ شہر تقریباً پانچ کلو میٹر کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا اور شہر سے باہر میلوں تک کئی باغات تھے۔ آج اگر مکلی کا قبرستان اور ٹھٹھے کی شاہجہانی مسجد موجود نہ ہوں تو ٹھٹھے کی موجودہ بستی کو دیکھ کر کوئی مشکل ہی سے ان باتوں پر یقین کرے گا۔

اب شاہجہانی مسجد کا حال سنو! ویسے تو یہ مسجد مُغل فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ مکلی کے مقبروں کی کاشی کی اینٹوں کی طرح اس کی اینٹوں کا رنگ روغن بھی روزِ اوّل کی طرح برقرار ہے۔ لیکن اس مسجد کی ایک خُصوصیّت جو اسے دُنیا کی دوسری مساجد سے مُمتاز کرتی ہے اس کے دالانوں کے سو گنبد ہیں یہ دالان مسجد کے مشرقی دروازے سے لے کر محراب تک گئے ہیں اور ان میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گُنبد بنے ہوئے ہیں۔





امام کی آواز محراب والے بڑے گنبد سے ہو کر ان گنبدوں میں گونجتی ہوئی مشرقی دروازے تک پہنچ جاتی ہے۔ گویا یہ چھوٹے چھوٹے گنبد لاؤڈ اسپیکر کا کام کرتے ہیں۔ اس چیز کو آزمانے کے لیے والد صاحب نے محراب میں کھڑے ہو کر قرآن پاک کی چند آیات قرأت سے پڑھیں اور ہم سب لوگوں نے وہ تلاوت مشرقی دروازے پر کھڑے ہو کر سُنی۔

یہ شہر صنعت و حرفت کا بھی مرکز ہے۔ یہاں کی بنی ہوئی ریشمی لُنگیاں اور کاشی کے برتن سارے ملک میں مشہور ہیں، بلکہ بیرونی ملکوں کے سیّاح بھی یہ چیزیں تحفے کے طور پر لے جاتے ہیں۔ روغن کیے ہوئے کاشی کے چند گلدان میں نے تمہارے لیے بھی خریدے ہیں۔ جب آنا ہوا تو ساتھ لے آؤں گا۔

میری طرف سے اپنے والد صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرنا۔

فقط والسّلام

تمہارا دوست

طارق

مشق

۱- طارق کے دیر سے خط لکھنے کی کیا وجہ تھی؟

۲- ٹھٹھے کی گذشتہ عظمت کا اندازہ کن چیزوں سے ہوتا ہے؟

۳- ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

وسیع و عریض - روزول - سیاح - آیات - بیرونی -

۴- ان جمع اسموں کے واحد لکھیے:

عُغاسوں - مقبروں - دفاتر - سیاحوں - [illegible] کر - مساجد - گنبدوں -

۵- جملے مکمل کیجیے:

(الف) ابو سب گھر والوں .... لے کر .... جھیل کی سیر .... جائیں گے۔

(ب) طارق .... مکلی کا قبرستان دیکھنے .... پورا دن صرف کیا۔

(ج) کچھ لوگ کشتی .... سوار ہو کر جھیل کی سیر .... تھے۔

۶- اپنے کسی دوست کو اسی انداز کے ایک خط میں اپنے شہر کے بارے میں معلومات فراہم کیجیے۔



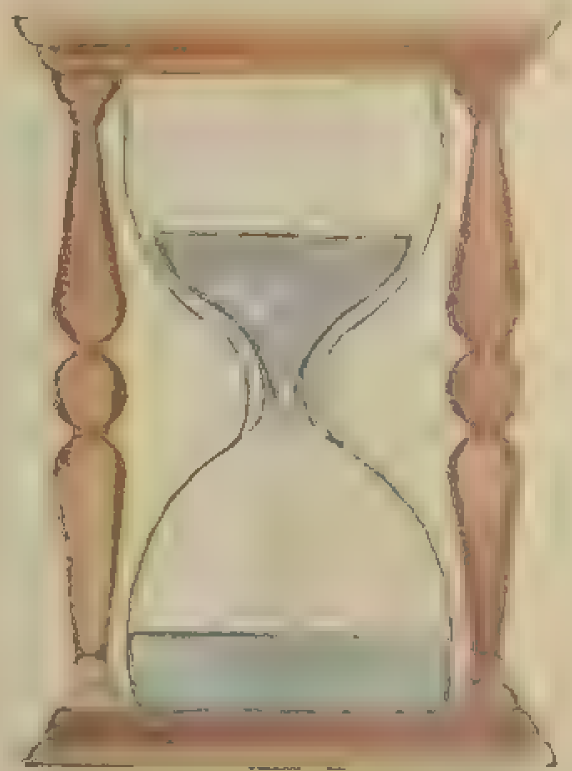
مسلمانوں کی ایجادیں

آپ اپنی کتابوں میں اکثر ان عجیب و غریب ایجادوں کی کہانیاں پڑھتے رہے ہیں جن کی بدولت انسان کی زندگی میں طرح طرح کی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان میں سے بہت سی ایجادیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کی کوششوں سے دنیا کو نصیب ہوئی ہیں۔



مسلمانوں کی عظیم الشان ایجادوں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ آج ہم تمھیں چند ایسی ایجادوں کا حال سناتے ہیں جن سے ہم بہت فائدہ تو اٹھاتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ ہمارے اپنے بزرگوں ہی کے کارنامے ہیں۔

توپ، بندوق اور گولہ بارود مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ میر فتح نامی ایک شخص نے ایک ایسی بندوق بنائی تھی جو ایک ہی وقت میں بارہ گولیاں چھوڑتی تھی۔ اسی سائنس دان نے ایک ایسی بندوق بھی بنائی تھی جو خود بخود چلتی تھی۔



سمتیں معلوم کرنے کا آلہ قطب نما تو تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔ یہ آلہ مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔

گھڑیاں سب گھر گھر میں موجود ہیں۔ ان کے بغیر کسی بھی وقت ہمارا کام نہیں چلتا۔ لیکن یہ بات شاید کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ پہلی گھڑی ابن یونس نامی ایک مسلمان نے بنائی تھی۔ رفتہ رفتہ مسلمان اس فن میں بڑے ماہر ہوگئے اور انھوں نے بے شمار عجیب و غریب گھڑیاں بنائیں۔ خلیفہ ہارون رشید نے فرانس کے بادشاہ کو تحفے کے طور پر ایک ایسی گھڑی بھیجی تھی جس کے اندر پیتل کے سوار تھے۔ گھڑی جتنے گھنٹے بجاتی اتنے ہی سوار ایک ایک کر کے باہر نکلتے اور پھر اندر چلے جاتے۔

اسی خلیفہ کے زمانے میں شہر دمشق کی ایک بڑی سی عمارت میں ایک طاق تھی۔ اس طاق میں پیتل کی کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں ہر کھڑکی میں چھوٹے چھوٹے دروازے لگے ہوئے تھے۔ دروازوں کے دونوں سروں پر دو چڑیاں پیتل کی تھالیوں میں جڑی ہوئی تھیں۔ جب ایک گھنٹہ بجتا تو دونوں چڑیاں اپنی اپنی گردنیں آگے بڑھا کر اپنی چونچوں سے پیتل کی گولیاں تھالی میں گرا دیتیں۔ گولیوں کے گرنے سے جو آواز پیدا ہوتی وہ دور تک جاتی اس کے ساتھ ہی گھنٹے والا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا۔ اس طرح بارہ گھنٹے میں تمام دروازے ایک ایک کرکے بند ہو جاتے۔ اس عجیب و غریب گھڑی کو دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔

طب اور جراحی کے علم میں تو مسلمان شروع سے ہی بہت ماہر تھے۔ مسلمان جراحوں نے ایسے مرہم بنائے تھے کہ گہرے سے گہرا زخم چند دن میں اچھا ہو جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ مصر کے ایک حاکم ان کے لیے ایک مسلمان حکیم نے ایک ایسا باجا بنوایا تھا جس کی آواز سنتے ہی پیٹ کا درد ختم ہو جاتا تھا۔

مشق

۱۔ میر فتح نے کیسی بندوقیں بنائی تھیں؟

۲۔ قطب نما کس کام آتا ہے اور یہ کس کی ایجاد ہے؟

۳۔ سب سے پہلی گھڑی کس نے بنائی؟

۴۔ خلیفہ ہارون رشید نے فرانس کے بادشاہ کو کیسی گھڑی بھیجی تھی؟

۵۔ خالی جگہیں پُر کیجیے:۔

(الف) نت نئی ایجادوں کی بدولت ہماری زندگی .... ہو گئی ہے۔

(ب) ان نت نئی ایجادوں میں بہت سی .... مسلمانوں کی ہیں۔

(ج) سب سے پہلی گھڑی .... سائنسدان نے بنائی تھی۔

۶۔ سبق میں دی گئی ایجادیں اور ان کا حال نیچے دیے ہوئے خانے کے مطابق لکھیے۔

ایجاد کا مختصر حال	ایجاد کا نام

بانکا سپاہی

خنجر بکف ہے، سینہ سپر ہے بے خوف کتنا، کتنا نڈر ہے
عزت وطن کی، مدِ نظر ہے چوکس عدو کی ہر گھات پر ہے

میرے وطن کا بانکا سپاہی

ہم سو رہے ہیں، وہ جاگتا ہے سرحد پہ سینہ تانے کھڑا ہے
سارے دفاعی گُر جانتا ہے دشمن سے بڑھ کر ٹکر رہا ہے

میرے وطن کا بانکا سپاہی

ناموسِ ملت کا وہ امیں ہے اور افتخارِ دنیا و دیں ہے
اِس بات کا بھی اس کو یقیں ہے اُس کا مقدر فتحِ مبیں ہے

میرے وطن کا بانکا سپاہی

عزیز حاصل پوری

مشق

۱- سپاہی کیا کام کرتا ہے؟
۲- "خنجر بکف ہے، سینہ سپر ہے" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
۳- بانکا سپاہی ملک کی حفاظت کس طرح کرتا ہے؟
۴- مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بتائیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
خنجر بکف - سینہ سپر - چوکس - گھات - ملت-
۵- آخری بند کا مطلب آسان الفاظ میں تحریر کیجیے۔
۶- وطن کے سپاہی کی تعریف میں دس سطریں لکھیے۔

بُوعلی سینا

بُخارا کا بادشاہ بہت بیمار تھا۔ شاہی طبیب علاج کر کر کے ہار گئے تھے لیکن اس کے مَرض میں کمی ہونے کے بجائے برابر اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ بادشاہ کے درباری اس کی بیماری کی وَجہ سے بہت مَغمُوم اور فِکر مَند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بادشاہ جلد صِحّت مَند ہوجائے۔ جب شاہی طبیبوں نے بادشاہ کی زندگی سے مایوسی کا اظہار کیا تو ان کی پریشانی اِنتہا کو پہنچ گئی۔ انھوں نے بادشاہ کی بیماری کا حال رعایا سے پوشیدہ رکھا تھا۔ لیکن اب انھیں مجبوراً اعلان کرنا پڑا کہ شاہ نُوح بِن مَنصُور کی حالت نازک ہے۔ ہم لوگ علاج کر کر کے ہار چکے ہیں۔ ساتھ ہی اُنھوں نے رعایا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے محبوب بادشاہ کی زندگی کے لیے دُعا کریں۔



اس اعلان کے ساتھ ہی سارے ملک میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ مساجد میں دعائیں مانگی جانے لگیں اور لوگ بادشاہ کی صِحّت کے لیے صَدَقات و خَیرات کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فریاد سُن لی۔ ایک روز جب تمام بڑے بڑے اُمَراء بادشاہ کے محل میں موجود تھے ایک سَترَّہ سالہ نوجوان وہاں پہنچا اور کہنے لگا میں بادشاہ کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ اُمَراء نے کہا: 'تمھیں معلوم

ـے بادشاہ سلامت اس قدر بیمار ہیں کہ شاہی طبیب ان کی صحت سے مایوس ہو چکے ہیں؟ ہاں مجھے سب کچھ معلوم ہے اس کے باوجود میں بادشاہ سلامت کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ میرا علم اور تجربہ یہ کہتا ہے کہ ان کا مرض لاعلاج نہیں اور اللہ نے چاہا، تو وہ میری دوا سے صحت مند ہو جائیں گے۔ نوجوان نے پورے اعتماد سے جواب دیا اور نوجوان کو علاج کرنے کی اجازت مل گئی۔ اللہ کی شان، اُس کی تجویز کی ہوئی دوا بادشاہ کو ایسی مُوافِق آئی کہ روز بروز اس کی صحت بہتر ہوتی گئی اور کچھ ہی دن میں وہ بھلا چنگا ہو گیا۔

بادشاہ کے غُسلِ صحت کے سلسلے میں ایک جشن منایا گیا۔ جشن کے دن دربار دُلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ بادشاہ بڑی شان سے تخت پر بیٹھا تھا اور تمام اُمَراء اور وُزَراء اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے تھے۔ ہر ایک کے چہرے پر خوشی اور شادمانی کے آثار نمایاں تھے۔ بادشاہ کے حُکم سے اُس کے مُعالِج کو عِزّت و احترام سے دربار میں لایا گیا۔ پہلے تو بادشاہ نے اتنا اچھا علاج کرنے پر اُس کا شکریہ ادا کیا اور پھر اُس سے کہا کہ وہ اپنی اس خدمت کے صلے میں جو چاہے مانگے، وہ جو مانگے گا اُسے دیا جائے گا۔

دربار کے لوگ سوچ رہے تھے کہ دیکھیں یہ نوجوان بادشاہ سے کیا طلب کرتا ہے! کسی کا خیال تھا کہ بہت بڑی جاگیر مانگے گا۔ کوئی سمجھتا تھا کہ ہیرے جواہرات اور سونا چاندی مانگے گا۔ غرض کہ جب نوجوان نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو سارے دربار کے کان اُس کی طرف لگے ہوئے تھے۔

بادشاہ سلامت! اللہ کا شکر ہے، آپ صحت مند ہو گئے، آپ کی صحت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا عَطِیّہ ہے۔ جہاں تک میری خدمت کا تعلق ہے، آپ کی رعایا ہونے کی حیثیت سے یہ خدمت مجھ پر فرض تھی۔ پھر بھی



آپ کوئی انعام دینا ہی چاہتے ہیں تو مہربانی فرما کر مجھے اپنے بے نظیر کُتب خانے کی کتابیں پڑھنے کی اجازت

مرحمت فرما دیجیے۔ کیوں کہ میرے نزدیک دُنیا کا کوئی انعام علم سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتا۔

یہ نوجوان بُوعلی سینا تھا۔ اُسے علم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اسی شوق کی خاطر وہ اپنے امیر کبیر باپ عبداللہ کی جاگیر چھوڑ کر بُخارا چلا آیا تھا۔ اس طرح اُس نے اپنی پُوری زندگی علم حاصل کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے وَقف کر دی تھی۔

بُوعلی سینا نے نُوح بن مَنصُور کے کُتُب خانے کی کتابوں کے علاوہ بھی بے شمار کتابیں پڑھیں اور دنیا کا شاید ہی کوئی علم ایسا ہو جس میں بُوعلی سینا نے مہارت حاصل نہ کی ہو۔

علم وہ دولت ہے کہ جتنا خرچ کرو، بڑھتا ہے۔ بُوعلی سینا نے یہ دولت اپنے ہزاروں شاگردوں میں تقسیم ہی نہیں کی بلکہ اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لیے بھی یہ دولت کتابوں میں جمع کر دی۔

کہتے ہیں بُوعلی سینا نے دنیا کے مختلف عُلُوم پر کوئی ایک سو پانچ کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں "القانون"، "الشفا" اور "لسان العرب" خاص طور پر مشہور ہیں۔ یہ کتابیں اتنی اہم تھیں کہ حکیم بُوعلی سینا کی وفات کے سوا چھ سو سال بعد تک اسلامی ممالک کے علاوہ یورپ کی یونی ورسٹیوں میں بھی پڑھائی جاتی رہیں۔

ہمارے پیارے رسُول صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔ بوعلی سینا نے جس طرح اس فرض کو ادا کیا اُس پر مسلمانوں کو آج بھی فخر ہے اور جب تک دُنیا میں علم و فن کا چرچا باقی ہے حکیم بُوعلی سینا کا نام بھی زندہ رہے گا۔

مشق

۱۔ بُوعلی سینا نے کس عمر میں نوح بن منصور کا علاج کیا تھا؟

۲۔ اُس نے بادشاہ سے کیا انعام مانگا؟

۳۔ اُس نے علم کی کیا خدمت کی؟

۴۔ بوعلی سینا نے کتنی کتابیں تحریر کیں؟ ان کی خاص کتابوں کے نام لکھیے۔

۵۔ ہمارے پیارے رسُول صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے حُصولِ علم کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۶۔ ان الفاظ کو اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے:

معصوم - صحت مند - لاعلمی - موافق آنا - بے نظیر - روز بروز - بھلا دینا۔

۷۔ واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے: مرض - عُلُوم - وقت - ہدایت - کتاب - فُنُون - عالم - تجویز

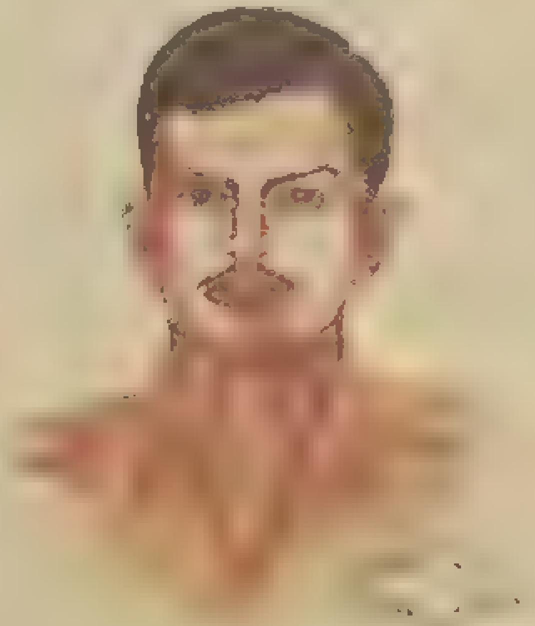


نشانِ حیدر

ارشد نے جب سے ریڈیو پر بچّوں کا پروگرام سُنا تھا، یہ الفاظ برابر دُہرائے جارہا تھا "تُو نے جو پیغام دیا وہ زندہ رہے گا۔ راشد تُو پائندہ رہے گا۔"

اُس کی امّی نے پُوچھا 'بیٹے تمھیں معلوم بھی ہے یہ راشد کون تھے؟ ارشد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں امّی آپ ہی بتائیے کون تھے؟"

امّی بولیں "یہ پاک فضائیہ کے ایک نوجوان افسر تھے جنھیں انتہائی بہادری کا کارنامہ سر انجام دینے پر "نشانِ حیدر' عطا کیا گیا تھا۔ ''نشانِ حیدر کیا امّی؟' ارشد نے تجسّس سے پوچھا۔ 'بیٹا! 'نشانِ حیدر' کے بارے میں زیادہ تفصیل تو مجھے بھی نہیں معلوم، البتہ اتنا معلوم ہے کہ یہ پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اِعزاز ہے۔' امّی نے جواب دیا۔ 'لیکن امّی یہ کن لوگوں کو ملتا ہے؟ ارشد کی سمجھ میں اب بھی پُوری بات نہیں آئی۔' بھئی! یہ اُن فوجیوں کو ملتا ہے جو اپنے مُلک کی حفاظت کی خاطر انتہائی دلیری اور جاں بازی سے دُشمن کا مُقابلہ کرتے ہیں۔' امّی نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔



ارشد نے "نشانِ حیدر" کے متعلق اپنے ابُو سے سوال کیا۔ اُنھوں نے کہا۔ بھئی اتنا تو ہمیں معلوم ہے کہ پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ہے اور اب تک دس افراد کو مل چکا ہے۔ جن میں سب سے کم عمر راشد منہاس شہید تھے۔ اس سے زیادہ اگر تم جاننا چاہو تو کل میرے ساتھ لائبریری چلے چلنا وہاں کسی کتاب میں تمھیں "نشانِ حیدر' کے بارے میں ساری تفصیل مل جائے گی۔ 'اندھا کیا چاہے دو آنکھیں'۔ ارشد 'نشانِ حیدر' کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے لائبریری جانے پر آمادہ ہو گیا۔

دوسرے دن ارشد جب لائبریری سے واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک کاپی تھی وہ امّی کے پاس آیا اور فخر سے بولا۔ "امّی! اب میں آپ کو نشانِ حیدر کے متعلّق بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔" امّی کے دل میں بھی "نشانِ حیدر" کی تفصیل جاننے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بولیں "اچھّا ضرور بتاؤ۔" ارشد کہنے لگا "یہ ایک ستارے کی شکل کا چمکدار تمغا ہوتا ہے جو انتہائی بہادری سے اپنی جان قربان کر دینے والے فوجیوں کو دیا جاتا ہے۔ جسے یہ تمغا دیا جاتا ہے اُس کا نام سارے ملک میں عزّت سے لیا جاتا ہے۔ اب تک کُل دس افراد کو یہ تمغا دیا جا چکا ہے۔"



"کیا تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان افراد کو کن کن موقعوں پر یہ تمغے ملے؟" امّی نے دریافت کیا۔

"جی ہاں" ارشد بولا۔ "سناؤں آپ کو؟"

"ہاں سُناؤ۔" امّی نے کہا۔ اتنے میں ابّو بھی وہاں آ گئے اور ارشد کی باتیں سُننے لگے۔ "پہلے میں آپ کو سوار محمد حسین کا واقعہ سناتا ہوں۔" ارشد نے کہنا شروع کیا۔ "محمد حسین میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہوئے تھے اور جب ۱۹۷۱ء میں پاکستان ہندوستان کی جنگ چھڑی تو وہ شکر گڑھ کے محاذ پر بکتر بند دستے میں ڈرائیور کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔"

وہ ایک پُرجوش سپاہی تھے انھیں رسُولُ اللہ صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی یہ حدیث یاد تھی کہ جس کے دل میں شہادت کا شوق نہ ہو اُس کا ایمان مکمّل نہیں ہوتا۔ چُناں چہ وہ بھی شوقِ شہادت لیے میدانِ جنگ میں جانا چاہتے تھے۔ جیسے ہی جنگ چھڑی وہ اپنے افسر کے پاس گئے اور اُن سے اگلے مورچوں میں جا کر جنگ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ افسر نے اُن کے جذبے کی تعریف کی لیکن یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ جو کام تم کر رہے ہو وہ بھی اتنا ہی اہم ہے، جتنا اگلے مورچوں میں جا کر دشمن سے لڑنا۔ محمد حسین مایوس ہو کر واپس آ گئے۔ افسر اُن کے شوقِ شہادت سے بہت متاثّر تھا۔ چناں چہ دو روز بعد جیسے ہی اُس افسر کو حُکم ملا کہ وہ اپنے چند ماتحتوں کو دشمن فوج کی کیفیّت معلوم کرنے کے لیے آگے بھیجے۔ اُس نے سوار محمد حسین کو بلا کر یہ خوش خبری سنادی کہ اُس کو تین ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کے علاقے میں جا کر وائرلیس کے ذریعے اطلاعات بھیجنے کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔

اب محمد حسین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا وہ اپنے تینوں ساتھیوں سمیت سرد رات کی تاریکی میں دُشمن کے اگلے مورچوں کی جانب رینگ رہے تھے۔ یہ واقعہ پانچ دسمبر ۱۹۷۱ء کا ہے۔ پانچ دسمبر سے لے کر نو دسمبر تک محمد حسین نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دشمن کی پیش قدمی کو بڑی خوبی سے روکے رکھا۔ دشمن جس طرف سے آگے بڑھتا محمد حسین کی ہدایت کے مطابق وہیں پاکستانی توپ خانے کے گولے اُسے تباہ کردیتے۔ دشمن کے پاس بہترین اسلحہ موجود تھا لیکن سوار محمد حسین کی بہادری سے وہ اسلحہ بیکار ہو کر رہ گیا تھا۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے میں دشمن کے اٹھارہ ٹینک تباہ ہو چکے تھے۔ توپ خانے کو اطّلاع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں موقع ملتا محمد حسین اور ان کے ساتھی خود بھی دشمن کے سپاہیوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنادیتے۔ یہ کام وہ اس ہوشیاری سے کر رہے تھے کہ دشمن باوجود پوری کوشش کے ان کا کھوج نہیں لگا سکا تھا۔ وہ انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے اندھا دُھند گولہ باری کر رہا تھا۔ لیکن سب کچھ بے سُود تھا۔

نو دسمبر کی شام کو بات کچھ بگڑتی نظر آئی۔ اُس شام موسم کی خرابی کی وجہ سے ہر طرف سخت دُھند پھیل گئی۔ جس سے دشمن کی کاروائی کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن محمد حسین اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس دُھند میں گھس گئے۔ آگے پانی سے بھرا ہوا ایک نالا تھا۔ اس سے پہلے کہ اُن کے ساتھی اُن کو روکتے محمد حسین پھُرتی سے نالا پار کرکے دشمن کے بہت قریب جا پہنچے۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے اپنے توپ خانے کو دشمن کی پیش قدمی سے باخبر کرنا شروع کردیا۔ دشمن کے بہت زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے دشمن کی توپوں اور گولوں سے ہونے والا نقصان اُن کی سیدھ میں آرہا تھا۔ اُن کے ساتھی اس صورت حال سے بہت فکر مند تھے اور مورچے سے ان کے بچاؤ کے لیے دشمن پر جوابی فائر کر رہے تھے۔ لیکن یہ چند افراد دشمن کی بڑی فوج کا مُقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔

محمد حسین بھی خطرے سے بے خبر نہیں تھے لیکن وہ موت کے خوف سے بے نیاز ہو کر منزلِ شہادت کی جانب بڑھ رہے تھے اور بالآخر دشمن کی توپ سے نکلے ہوئے ایک گولے نے اُن کا شوق شہادت پورا کردیا۔"

واقعی ایسی بہادری پر تو نشانِ حیدر ملنا ہی چاہیے تھا۔" ارشد کی امّی نے اپنے دوپٹّے کے پلّو سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

اور جو اعزاز اللہ کے ہاں ملے گا وہ الگ ہے۔" ارشد کے ابو بولے۔ "پیغمبروں کے بعد جنت میں

شہیدوں ہی کا درجہ ہوگا۔"

اِدھر ارشد دل ہی دل میں دُعا مانگ رہا تھا کہ اللہ اُسے بھی سوار محمد حسین کی طرح شہادت کا رُتبہ عطا فرمائے۔

مشق

۱- اب تک کتنے شہیدوں کو نشانِ حیدر مل چکا ہے؟

۲- ارشد کو ان شہیدوں کے حالات کس طرح معلوم ہوئے؟

۳- "نشانِ حیدر" کا نام کس بہادر ہستی کے نام پر رکھا گیا ہے؟ اپنے استاد سے دریافت کر کے لکھیے۔

۴- سوار محمد حسین کا کارنامہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۵- سوار محمد حسین نے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی؟

۶- ان الفاظ کی ضد لکھیے۔ مثلاً: نیکی - بدی

اضافہ - عزت - دشمن - تعریف - تاریکی - ہوشیاری

۷- مُذکّر سے مُؤنّث اور مُؤنّث سے مُذکّر اسم بنائیے۔

باپ .... بہن .... داماد .... ساس .... شیر .... دھوبن ....

۸- [illegible] ایک کہاوت ہے۔ دو اور کہاوتیں اپنے استاد سے معلوم کر کے کاپی میں لکھیے۔

۹- ہمارے وطن میں ایسے بہت سے بہادر ہو گزرے ہیں جنھوں نے وطن کی خاطر جان دے دی۔ مگر انھیں نشانِ حیدر نہیں مل سکا۔ کسی ایسے بہادر کا حال کتابوں یا رسالوں سے پڑھ کر اپنی کاپی میں لکھیے۔



علم انسان کی وحشت دور کرتا ہے

محنت کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ محنت کرتا ہے۔ جو لوگ اچھے کاموں کے لیے زیادہ محنت کرتے ہیں ان کی زندگی زیادہ آرام سے بسر ہوتی ہے اور جو لوگ محنت سے جی چراتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہوئے شرماتے ہیں وہ بالآخر ناکام ہوتے ہیں۔

انسان کو جو خوشی اپنے ہاتھ سے کام کر کے حاصل ہوتی ہے وہ دوسروں سے کام لے کر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ اس سے انسان کی عزت گھٹتی نہیں بلکہ بڑھتی ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم دنیا کے معزز ترین انسان تھے لیکن آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں ہمیشہ خوشی محسوس فرماتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھ سے کام کرنے والا اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔

جب حضرت محمدؐ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم مکّے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک مسجد بنوائی جس کا نام 'مسجدِ نبوی' ہے۔ یہ مسجد مزدوروں اور کاریگروں نے نہیں بنائی تھی بلکہ صحابہ کرامؓ کی مدد سے خود رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے ہاتھ سے تعمیر فرمائی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے عرض بھی کی تھی کہ یہ کام کرنے کے لیے ہم موجود ہیں آپ ﷺ آرام فرمائیے۔ لیکن حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اُن کی یہ درخواست قبول نہیں فرمائی اور مسجد کی تعمیر میں خود بھی حصہ لیا۔ حضرت محمدؐ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم تو اپنے جوتوں تک کی مرمّت اپنے ہاتھ سے فرمایا کرتے تھے اور اس کام میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

آپ ﷺ کے صحابہؓ کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ جو حضور ﷺ کے چچازاد بھائی بھی تھے، ایک بار روزی کمانے کے لیے ایک یہودی کے باغ میں پہنچے۔ اُس نے آپ کو کنوئیں سے پانی کھینچنے کے کام پر لگا دیا جو بڑی محنت کا کام تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے یہ کام بڑے شوق سے انجام دیا اور جب اس کام کی اُجرت کے طور پر یہودی نے اُنھیں کھجوریں دیں تو ان کھجوروں میں سے آدھی گھر لے گئے اور آدھی راستے ہی میں خیرات کر دیں۔

حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں اونٹ پر سوار بازار سے گزر رہے تھے کہ آپؓ کا کوڑا ہاتھ سے

چھوٹ کر زمین پر آ گرا۔ لوگ دوڑے کہ کوڑا اُٹھا کر آپ ؐ کو دے دیں لیکن آپ ؐ نے انھیں منع کر دیا اور فرمایا کہ انسان کو اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ اس کے بعد آپ ؐ اونٹ سے اُترے، کوڑا اُٹھایا اور پھر اونٹ پر سوار ہو گئے۔



سلطان ناصر الدین محمود　　　　اورنگ زیب عالمگیر

ہاتھ سے کام کرنے کی یہ مثالیں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صحابہ کرام ؓ ہی تک محدود نہیں ہیں، ان کے بعد بھی اکثر بڑے بڑے مسلمان بادشاہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود ہندوستان کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ یہ بادشاہ سرکاری خزانے سے ایک پیسہ تک نہیں لیتا تھا بلکہ قرآن کریم کی کتابت کر کے گزر بسر کرتا تھا۔ یہی حال مشہور مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا تھا۔ وہ بھی قرآن کریم کی کتابت کرتا، ٹوپیاں بناتا اور اس طرح جو پیسے ملتے ان سے گزر اوقات کرتا تھا۔

جب دنیا کے ان عظیم انسانوں نے ہاتھ سے کام کرنے کو عیب نہ جانا تو ہم محنت مشقت کو کیوں عیب سمجھیں اور کیوں نہ ہم بھی ان بزرگوں کی طرح اپنے ہاتھ سے محنت کر کے دنیا میں عزت اور ترقی حاصل کریں۔



مشق

۱۔ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ہاتھ سے کام کرنے والوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۲۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کس طرح ہوئی؟

۳۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے یہودی کے باغ میں کیا کام کیا تھا؟

۴۔ سلطان ناصر الدین محمود کس طرح روزی کماتا تھا؟

۵۔ ان الفاظ اور محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ذلیل و خوار ہونا۔ جی چرانا۔ گزارہ کرنا۔ قناعت۔ سر انجام دینا۔ اُجرت۔

۶۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۷۔ "محنت کی عظمت" پر ایک مختصر سا مضمون لکھیے۔



جاگو اور جگاؤ

جاگو، جاگو، جاگو پیارے — جاگے دُنیا والے سارے
دیکھو سُورج، چاند، ستارے — کرتے ہیں سب تم کو اشارے
تم بھی غفلت سے باز آؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

بے کاری کا رونا کب تک — وقت کو اپنے کھونا کب تک
تکیہ اور بچھونا کب تک — جاگو، جاگو، سونا کب تک
اُٹھو، اُٹھو اب اُٹھ جاؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

کوشش سے کُچھ کرنا سیکھو — اپنے بل پر بڑھنا سیکھو
صرف خدا سے ڈرنا سیکھو — حق کی خاطر مرنا سیکھو
اچھی باتیں کر کے دکھاؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

قوم کی خدمت کر کے دکھاؤ — قوم کے بگڑے کام بناؤ
قوم کی کشتی پار لگاؤ — قوم کو یہ پیغام سُناؤ
سونے والو! جلدی آؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

شفیع الدین نیرؔ

مشق

۱- اس نظم میں جاگو کا کیا مطلب ہے؟
۲- سورج، چاند، ستارے ہمیں کیا اشارے کرتے ہیں؟
۳- قوم کی کشتی پار لگاؤ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
۴- تیسرے بند میں کون کون سے الفاظ ردیف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں؟
۵- ان الفاظ میں اسمِ عام اور صفت تلاش کر کے الگ الگ لکھیے: سورج - اچھی - چاند - بگڑے - تکیہ - صرف - قوم - [illegible]

کسی بھی چیز کی ظاہری چمک دمک پر نہ جاؤ

گلاب کی کاشت

گلاب کو پھولوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ باغ میں ہزار قسم کے پھول ہوں، لیکن گلاب نہ ہو تو باغ بے رونق نظر آئے گا۔ وجہ یہ ہے کہ گلاب کا پھول خوش نما ہوتا ہے، خوشبودار اور اس کے ساتھ ساتھ فائدہ مند بھی۔

ہندوستان میں گلاب کا پودا لانے کا سہرا مغل شہنشاہ بابر کے سر ہے اور اس کا عطر نکالنے کی ترکیب شہنشاہ جہانگیر کی ملکہ نور جہاں نے ایجاد کی تھی۔ بہرحال ساری دنیا کی طرح ہمارے ملک کے لوگ بھی گلاب کے پھول کے شیدائی ہیں۔ خوشی کے موقعوں پر لوگ اس کے ہار پہنتے ہیں، گلدانوں میں سجاتے ہیں، اس کے عطر سے اپنے لباس کو معطر کرتے ہیں اور اس کے گلدستے بنا کر تحفے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے گلاب کے پودے صرف شوقیہ ہی نہیں لگائے جاتے بلکہ اس کی کاشت تجارتی مقصد کے لیے بھی ہونے لگی ہے اور لوگ اس کی کاشت سے لاکھوں روپیہ کما رہے ہیں۔

رنگت اور وضع کے لحاظ سے یوں تو لاتعداد گلاب کی قسمیں ہیں لیکن تجارتی لحاظ سے ہمارے ملک میں خوشبودار سرخ گلاب کی کاشت سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ دوسری قسم کے گلاب صرف خوش رنگ



اور خوش نما ہوتے ہیں لیکن خوش بودار نہیں ہوتے اور اپنے خاص موسم میں کھلتے ہیں۔ خوشبودار سرخ گلاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سارا سال کھلتا ہے۔

ویسے تو ہمارے ملک کے ہر علاقے میں گلاب کی کاشت ہوتی ہے مگر بلوچستان کی آب و ہوا اس کی کاشت کے لیے خاص طور پر موافق ہے۔ گل قند اور عرقِ گلاب کی ملکی ضرورت زیادہ تر یہی صوبہ پوری کرتا ہے۔ یہاں گلاب کے وسیع و عریض باغ ہیں جن کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور جن کی خوشبو سے پورا علاقہ مہکتا رہتا ہے۔

گلاب پودوں کی اس قسم سے تعلق رکھتا ہے جو بیج سے نہیں بلکہ قلمیں لگا کر اگائے جاتے ہیں۔ قلم سے مراد پودے کی شاخ کے ٹکڑے ہیں۔ پچیس سینٹی میٹر کے یہ ٹکڑے درمیانہ قسم کی شاخوں سے کاٹے جاتے ہیں۔ پہلے ان قلموں کو گٹھوں کی صورت میں باندھ کر ایک آدھ دن اس طرح پانی میں رکھا جاتا ہے کہ ان کا



نصف حصہ پانی میں ڈوبا رہے۔ اس کے بعد انھیں بڑی تعداد میں نرم کیاریوں میں اس طرح گاڑ دیا جاتا ہے کہ ان کا ایک تہائی حصہ زمین کے اندر رہے اور دو تہائی زمین کے اوپر۔ تین ماہ کے عرصے میں ان قلموں میں جڑیں نکل آتی ہیں اور پودوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اس کے بعد انھیں کھیت میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں یہ پودے تین سال تک مسلسل پھول دیتے ہیں۔ قلمیں لگانے کا کام موسمِ سرما میں اور منتقلی کا کام موسمِ بہار میں کیا جاتا ہے۔

گلاب کے پودوں سے عمدہ اور زیادہ پھول حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کھاد اور پانی کی صحیح مقدار دینے کے ساتھ ساتھ سال میں کم از کم ایک مرتبہ پودوں کی چھٹائی کی جائے۔ یہ چھٹائی عام طور پر موسمِ سرما

کے ابتدائی حصّے میں کی جاتی ہے۔ اسی موسم میں پودوں کی جڑوں کو حرارت پہنچانے کے لیے جڑوں کے آس پاس کھائی سی بنا دی جاتی ہے اور دس پندرہ روز تک پودوں کو پانی نہیں دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کھائی میں دیسی کھاد بھر دی جاتی ہے اور پودوں کو خوب پانی دیا جاتا ہے۔ اس طرح کھاد دینے سے پودے غیر معمولی توانائی حاصل کرتے ہیں اور کچھ دن بعد ان میں اتنے پھول آتے ہیں کہ پتّے پھولوں میں چھپ جاتے ہیں۔



دوسرے پودوں کی مانند گلاب کے پودوں کو بھی کیڑے اور بیماریوں سے بچانا ضروری ہے۔ اس پودے کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں میں چیونٹیاں اور دیمک بھی شامل ہیں۔ چیونٹیاں ایک خاص بیماری کے چھوٹے چھوٹے کیڑے لا کر گلاب کے پودوں میں شاخوں اور پتّوں پر رکھ دیتی ہیں۔ یہ کیڑے جونک بیسٹ کہلاتے ہیں شاخوں اور پتّوں کو خراب کرکے پودے کو ضائع کر دیتے ہیں۔ گلاب کے پودوں کو ان کیڑوں سے بچانے کے لیے شاخوں اور پتّوں پر دوا چھڑکی جاتی ہے اور جڑوں میں بھی دوا ڈالی جاتی ہے۔

کھلی ہوا اور دھوپ بھی گلاب کے پودوں کے لیے ضروری ہے۔ گلاب کے پودے باغوں اور پھلوں کے درختوں کی کیاریوں کے کناروں پر بھی لگائے جاتے ہیں۔ جس سے ایک تو کھیت اور کیاریاں خوبصورت لگتی ہیں، دوسرے سارا علاقہ معطّر ہوجاتا ہے اور تیسرے گلاب کے پھول فروخت کرکے اچھے خاصے پیسے کمائے جاسکتے ہیں۔

جن بچّوں کو گلاب کی کاشت کا شوق ہو وہ اپنے گھروں میں گلاب کی کیاریاں بنا سکتے ہیں اور جن بچّوں کے گھروں میں کیاریوں کی جگہ نہیں ہے وہ گملوں میں گلاب کے پودے لگا کر اپنا شوق پورا کرسکتے ہیں۔

مشق

۱- گلاب کو پھولوں کا بادشاہ کیوں کہا جاتا ہے؟
۲- تجارتی مقاصد کے لیے گلاب کی کون سی قسم لگانی چاہیے؟
۳- پاکستان میں سب سے زیادہ گلاب کہاں پیدا ہوتا ہے؟
۴- گلاب کا پھول کس کس طرح استعمال ہوتا ہے؟
۵- آپ کو کوئی بہت سے گلاب کے پھول تحفے میں بھیجے تو آپ اُن کا کیا کریں گے؟
۶- خالی جگہیں پُر کیجیے:

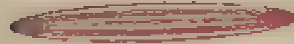
گلاب....... پھول...... خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور اس..... رنگ بھی عمدہ ہوتا ہے۔

(ب) گلاب کا عطر.............. نے ایجاد کیا۔

(ج) ہندوستان میں گلاب کا پودا.............. لایا۔

کھیتوں اور کیاریوں کے علاوہ گلاب کا پودا.............. میں بھی لگایا جاسکتا ہے۔

۷- گلاب کے پھول پر ایک مختصر پیراگراف لکھیے۔



شاہراہِ ریشم

پاکستان اور چین کی سرحدوں کے دونوں جانب کے دیہات میں باہمی دوستی کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے۔ وہاں کے باشندے ایک دوسرے کے قافلوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ قافلے کے افراد اور اُن کے جانوروں کے لیے سُہولت اور آرام کا سامان مُہیّا کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ شاہراہ ریشم کی وجہ سے ہے۔ اس شاہراہ کا نیا نام شاہراہ قراقُرم ہے۔



شاہراہ ریشم جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ایک زمانے میں چینی ریشم کی تجارت کی وجہ سے مشہور تھی۔ ریشم چین ہی کے لوگوں کی دریافت تھی اور چینی تاجر اس قیمتی ریشے کو اسی شاہراہ کے ذریعے دوسرے ملکوں تک لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے اس کا نام ہی شاہراہ ریشم رکھ دیا تھا۔ یہی شاہراہ تھی جو سمرقند، بخارا اور غزنی جیسے مشہور شہروں کو جنوبی ایشیا اور عرب ممالک سے ملاتی تھی۔ سیّاح ہوں یا دینی مُبلّغ، تاجر ہوں یا حملہ آور بادشاہ، سب اسی راستے سے اپنی منزل پر پہنچتے تھے۔ جب برف پوش پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس تنگ راستے پر مشہور مُغل فاتح تیمُور کا لشکر گزرتا تو تیز رفتار گھوڑوں کی ٹاپوں سے وادیاں گُونج اُٹھتیں۔ جب لشکر پڑاؤ ڈالتا تو یہ شاہراہ دن بھر کے تھکے ماندے انسانوں اور جانوروں کی تواضع اپنے پھل دار درختوں اور ہری بھری چراگاہوں سے کرتی۔ اس دُشوار گزار اور انتہائی سرد علاقے سے گزرنے والی شاہراہ پر

سفر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ راستے میں کہیں پہاڑوں کی خطرناک ڈھلانیں تھیں تو کہیں تنگ درے، کہیں مشکل چڑھائیاں اور کہیں برف کے پانی کے تند و تیز چشمے۔

دنیا میں آئے دن نت نئی سواریاں ایجاد ہوتی ہیں لیکن یہ شاہراہ اپنی اسی پرانی وضع پر قائم رہی۔ ۱۹۴۹ء میں جب چین میں جنگِ آزادی شروع ہوئی تو شاہراہ اِکّا دُکّا مسافروں اور چھوٹے موٹے قافلوں پر بھی بند کردی گئی اور پورے ایک سال تک اس برف پوش راستے پر انسانی قدم نہ پڑ سکے۔

اس شاہراہ کے بند ہوجانے سے پاکستان اور چین کی سرحدوں کے قریب دونوں طرف بسے ہوئے دیہات کی آبادی کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب پاکستان کے سرحدی علاقے ہنزہ کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ ۲۴ اگست ۱۹۶۹ء کو ایک چینی تجارتی قافلہ ان کی سرحد میں داخل ہورہا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ یہ قافلہ ۱۹۶۷ء میں ہونے والے پاک چین دوستی کے معاہدے کے تحت پاکستان آرہا تھا۔ اس قافلے کا استقبال بڑے جوش و خروش سے ہوا۔ تجارتی سامان جو کہ ریشم، کھالیں، بجلی کا گھریلو استعمال کا سامان وغیرہ پر مشتمل تھا پاکستانی میزبانوں نے ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔ چند دن قیام کرکے جب یہ قافلہ واپس روانہ ہونے لگا تو بڑے خلوص سے پاکستانیوں کو اپنے علاقے سنکیانگ آنے کی دعوت دے گیا۔

جب ادھر سے قافلہ روانہ ہوا تو اس کے پاس اپنے چینی بھائیوں کے لیے اونی اور سوتی کپڑا، خشک میوہ اور دواؤں کے طور پر استعمال ہونے والی جڑی بوٹیاں تھیں۔

اس کے بعد تو قافلوں کی آمدورفت کا سلسلہ بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ دونوں ملکوں کی حکومتوں نے اس تنگ راستے کو وسیع کرکے آسان بنانے کا منصوبہ بنایا اور دونوں طرف کی فوجوں نے اس منصوبے کی تکمیل کا کام شروع کردیا اس دشوار گزار رستے کو گاڑیوں کے لیے قابلِ استعمال بنانا آسان کام نہ تھا۔ لیکن دونوں ملکوں کے فوجیوں نے مثالی ہمت اور محنت سے کام کرکے اسے ہر قسم کی آمدورفت کے قابل بنادیا ہے۔

مشق

۱- پاکستان اور چین کے درمیان کیسے تعلقات ہیں؟

۲- شاہراہِ ریشم پاکستان کے کس علاقے سے شروع ہوتی ہے؟

۳- اس شاہراہ کے ذریعے پاکستان سے کیا کیا چیزیں بھیجی جاتی ہیں؟

۴- اس شاہراہ کا نام شاہراہِ ریشم کیوں پڑا؟

۵- اگر آپ شاہراہِ ریشم پر سفر کریں تو راستے میں کیا کیا مناظر دیکھنے میں آئیں گے؟ اپنی کاپی میں لکھیے۔

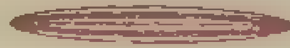
۶- ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

خوش آمدید - سہولت - رہائش - اتحاد - محنت - وغیرہ - انتظام - آمدورفت۔

۷- خالی جگہ پُر کیجیے:

(الف) شاہراہِ ریشم کا نیا نام .... ہے۔

(ب) یہ راستہ پاکستانی علاقے ہنزہ سے شروع ہو کر .... تک جاتا ہے۔



کارخانے کی سیر

ہمارے ماسٹر صاحب ہر دوسرے تیسرے مہینے ہماری جماعت کو کہیں نہ کہیں سیر کے لیے لے جاتے ہیں۔ کبھی دریا پر، کبھی کسی باغ میں اور کبھی کسی تاریخی مقام پر۔ اس مرتبہ طے ہوا کہ کسی شیشے کے کارخانے کی سیر کی جائے۔ ماسٹر صاحب نے کارخانے کے منیجر کو ایک خط لکھا کہ ہم لوگ آپ کا کارخانہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر کوئی دن مقرر کر کے ہمیں مطلع فرمائیے۔ تیسرے دن جواب آیا کہ آپ لوگ اتوار کو کارخانہ دیکھنے آسکتے ہیں۔



اتوار کو سب بچے صبح سویرے اسکول میں جمع ہوگئے اور وہاں سے ایک ساتھ کارخانے پہنچے۔ پہرے دار کو شاید پہلے سے ہمارے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ چناں چہ اس نے گیٹ کھول دیا اور ہم سب اندر داخل ہوگئے۔ ماسٹر صاحب پہلے تو منیجر صاحب کے دفتر میں گئے اور جب وہاں سے لوٹے تو ان کے ہمراہ ایک صاحب اور بھی تھے۔ ماسٹر صاحب نے قریب آکر ہم سب سے ان کا تعارف کرایا۔ ’بچو! آپ نظامانی صاحب ہیں اس کارخانے کے منیجر۔ آپ کارخانے کی سیر میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے ۔‘

سب سے پہلے انھوں نے ہمیں ایک ریت کا ڈھیر دکھاتے ہوئے بتایا: ’بچو! یہ ایک خاص قسم کی ریت ہے جسے سیلکا کہتے ہیں۔ شیشہ اسی ریت سے بنتا ہے۔‘

"جناب! یہ ریت کہاں ملتی ہے؟" ہمارے ایک ساتھی نے سوال کیا۔

"یہ ہم کوٹڑی سے منگواتے ہیں۔ ویسے پاکستان میں کوٹڑی کے علاوہ یہ ریت پنجاب کے ضلع جھنگ میں بھی ملتی ہے۔" اُنھوں نے جواب دیا۔

"کمال ہے یہ بھوری ریت شیشے جیسی صاف شفّاف چیز کیسے بن جاتی ہے!" ایک ساتھی نے تعجب سے کہا۔

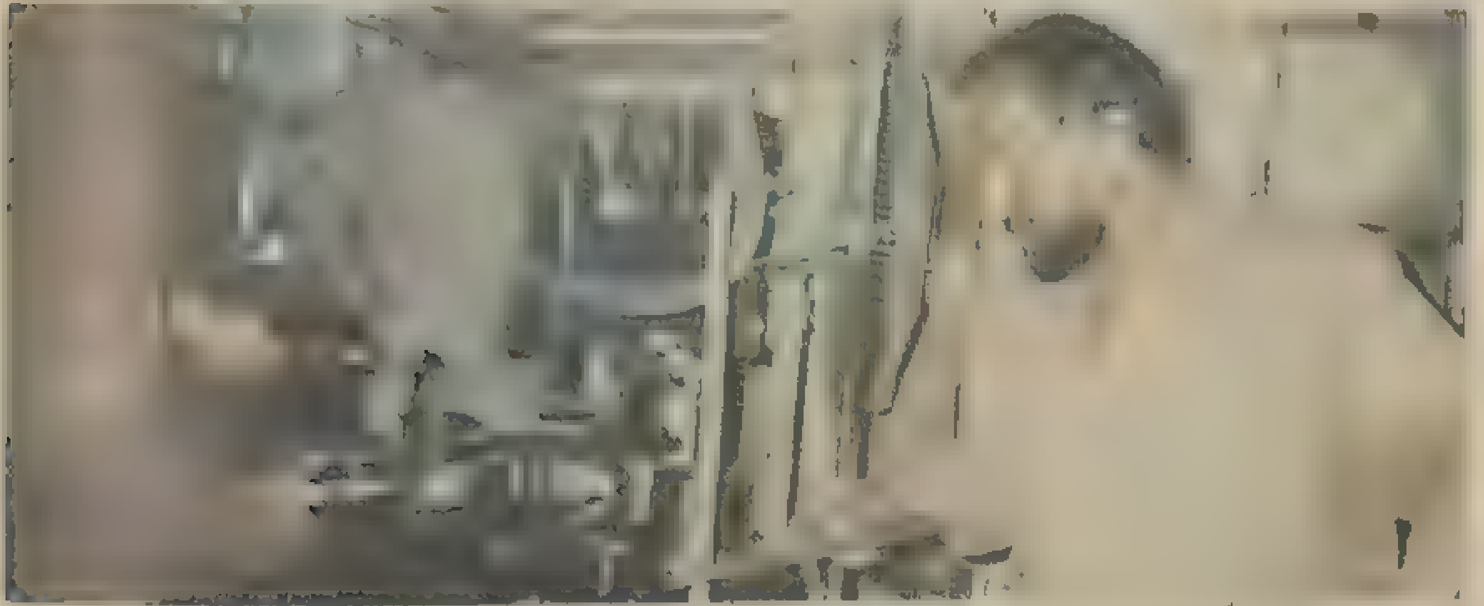
"آپ میرے ساتھ چلے آئیے، میں آپ کو ساری تفصیلات بتاؤں گا کہ ان چیزوں سے شیشہ کس طرح بنتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہمیں ایک بڑی سی مشین کے قریب لے گئے اور بولے: "دیکھیے اس مشین میں یہ ریت صاف کی جا رہی ہے۔" اور پھر مشین سے نکلی ہوئی صاف ریت کی ایک مٹھی بھر کر ہمیں دکھاتے ہوئے کہنے لگے۔ "یہ دیکھیے ریت کا رنگ بدل گیا ہے۔ یہاں ریت سے فولاد کے ذرّے علیحدہ کیے جا رہے ہیں۔ اگر یہ ذرات ریت میں رہنے دیے جائیں تو ان کی وجہ سے شیشے کا رنگ بعد میں سبز ہو جاتا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ ہمیں ایک بڑے سے کمرے میں لے گئے اور بولے: "یہ چُونے کا اسٹور ہے۔ اس کے برابر والا کمرہ سوڈے کا ہے۔ سلیکا، چُونا اور سوڈا، انھی تینوں چیزوں کو ملا کر شیشہ بنایا جاتا ہے۔" اس کمرے کے دوسرے دروازے سے نکل کر ہم ایک اور کمرے میں داخل ہوئے جہاں دو مشینیں چل رہی تھیں۔

"یہ مشین چُونا پیسنے کی ہے اور وہ سلیکا، چونے اور سوڈے کو ملانے کی۔ دیکھیے اب یہ تینوں چیزیں ایک مسالا بن گئی ہیں۔" اُنھوں نے مشین سے نکلا ہوا پوڈر دکھاتے ہوئے کہا۔ "اب یہ تھیلوں میں بھرا جائے گا جو کہ سامنے والے اسٹور میں جما دیے جائیں گے۔ اب چلیے اصل کام دیکھیے۔"



اس کے بعد ہم ایک بڑے ہال میں گئے۔ وہاں سخت گرمی تھی۔ "اب تک تو آپ نے وہ چیزیں دیکھیں۔ اب ذرا کارخانے کی فضا کا حسن لطف اٹھائیے۔" نظامانی صاحب نے مسکرا کر کہا۔ "یہ دیکھیے سامنے بھٹی ہے وہ مسالا جو آپ پیچھے دیکھ کر آئے ہیں اس بھٹی میں سوئی گیس کے تیز شعلوں کے ذریعے پگھلایا جاتا ہے۔ دیکھیے! ایک مزدور سیڑھیوں پر چڑھ کر بھٹی کی کھڑکی میں سے مسالا ڈال رہا ہے۔ اگر رنگین شیشہ بنانا ہو تو اسی دوران اس میں مطلوبہ رنگ ڈال دیا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ پگھلا ہوا شیشہ ادھر چھوٹی بھٹیوں میں چلا جاتا ہے۔



چھوٹی بھٹیوں کے آس پاس بہت سی مشینیں تھیں۔ جہاں سانچے لگے ہوئے تھے۔ کاریگر لکڑی کی مٹھی لگی ہوئی لوہے کی لمبی لمبی سلاخیں بھٹیوں میں ڈالتے اور ان کے سروں پر گاڑھا گاڑھا سرخ سرخ شیشہ چپٹا لاتے۔ یہ شیشہ مشین میں لگے ہوئے سانچوں میں ڈالتے۔ دوسرے کاریگر سانچہ بند کر کے مشین کا ہینڈل دباتے اور جب سانچہ کھولتے تو کسی سانچے میں سے پلیٹ نکلتی، کسی میں سے شیشی، کسی میں سے کچھ اور کسی میں سے کچھ۔

ہم لوگ یہ دلچسپ منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ نظامانی صاحب نے ہمیں اپنی جانب متوجہ کیا۔ "اصل تماشا تو آپ کو ادھر نظر آئے گا۔" یہ کہہ کر وہ ایک کونے میں لگے ہوئے سانچوں کی طرف گئے۔ ہم سب لوگ ان کے پیچھے چلے۔ واقعی یہاں تو تماشا ہو رہا تھا! اس طرف کے کاریگروں کے پاس جو سلاخیں تھیں ان میں ہینڈل سے لے کر نوک تک ایک باریک سوراخ تھا۔ سرے پر پگھلا ہوا شیشہ چپکا کر کاریگر بھٹی کی جانب سے سوراخ میں پھونک مارتا تو سرے پر لگا ہوا شیشہ بجلی کے بلب کے مانند گول ہو جاتا۔ کاریگر سلاخ کو تھوڑی دیر ایک جگہ رکھتا کہ بلب کی رنگت سرخ سے سفید ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اسے بھٹی میں سے باہر نکالتا۔ دوبارہ پھونک مار کر بلب کو سرخ غبارے کی شکل میں بدلتا۔ پھر سلاخ کو دو تین جھکولے دے کر اس غبارے کو بڑھاتا

اور اس کے بعد اُسے سانچے میں ڈال دیتا اور آخری بار پھونک مار کر سانچہ کھولتا تو کسی میں سے برنی نکلتی، کسی میں سے صُراحی۔ "گول پیٹ والے اور بیچ میں سے کھوکھلے برتن اسی طرح بنتے ہیں۔" نظامانی صاحب کی آواز نے ہمیں اپنی طرف مُتوجہ کیا۔

"اس کام کے لیے بڑی مہارت کی ضرورت ہے۔" نظامانی صاحب نے مزید فرمایا۔ "وقت پر صحیح مقدار میں شیشہ لینا اور پھر بالکل صحیح اندازے سے پھونک مارنا مہارت کے بغیر ناممکن ہے۔"

"تو گویا برتن بنانے کا کام یہاں مُکمّل ہو جاتا ہے؟" ماسٹر صاحب نے نظامانی صاحب سے سوال کیا۔

"جی نہیں، ابھی کہاں، ابھی تو یہ برتن ایک ایسی مشین سے گزارے جائیں گے جہاں اُن کی حرارت تدریجاً کم ہوگی۔ اگر ایسا نہ کریں تو یہ برتن چٹخ چٹخ کر ٹوٹ جائیں۔ پھر ان کی جانچ ہوگی اور جن میں کوئی نقص رہ گیا ہوگا انھیں الگ کیا جائے گا۔" نظامانی صاحب نے کہا۔

"کیا انھیں آپ سستے داموں فروخت کریں گے۔" میں نے سوال کیا۔ "جی نہیں انھیں توڑ کر دوبارہ بھٹی میں ڈال دیا جائے گا۔" اُنھوں نے جواب دیا "آپ نے دیکھا ہوگا کچھ غریب لوگ راستے سے شیشے کے ٹکڑے چنتے پھرتے ہیں، وہ ٹکڑے ہم اُن سے خریدتے ہیں اور بھٹی میں پگھلا کر استعمال کرتے ہیں۔ معاف کیجیے مجھے خیال نہیں رہا آپ لوگوں کو گرمی لگ رہی ہوگی۔ ہم لوگ تو اس کے عادی ہو چکے ہیں۔"



اس کے بعد نظامانی صاحب ہمیں اُس ہال میں لے گئے جہاں برتنوں پر رنگ کیا جا رہا تھا۔ وہ بولے "جو برتن جانچ پر پُورے اُترتے ہیں اُن میں سے بعض کی کٹائی ہوتی ہے، بعض کے کنارے گھِسے جاتے ہیں اور پھر

جن پر رنگ و روغن کرنا ہوتا ہے یا نقش و نگار بنانے ہوتے ہیں وہ یہاں لائے جاتے ہیں۔ یہاں برتنوں پر ہاتھ سے نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ یہ کام سپرے مشین سے بھی ہوتا ہے۔

لیکن یہ رنگ برتن دھونے پر چھوٹتا کیوں نہیں؟ ماسٹر صاحب نے دریافت کیا۔

اس لیے کہ رنگ کرنے کے بعد برتنوں کو ایک بار پھر بھٹی سے گزار کر رنگ کو پختہ کر دیا جاتا ہے۔ نظامانی صاحب نے کہا۔

"اس کے بعد؟" ایک ساتھی نے پوچھا۔

اس کے بعد ان کو حفاظت کے ساتھ ڈبوں میں جما کر باہر بھیج دیا جاتا ہے۔ نظامانی صاحب نے مسکراتے ہوئے اپنی بات ختم کی اور باہر نکلنے سے قبل ایک خوب صورت گلدان ہمارے ماسٹر صاحب کو دیتے ہوئے کہا۔ یہ ہماری طرف سے اپنی جماعت کے کمرے کے لیے قبول فرمائیے۔

ماسٹر صاحب نے وہ گلدان لے کر نظامانی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ نظامانی صاحب نے نہایت اخلاق سے ایک بار پھر ہم سب سے ہاتھ ملایا اور اس طرح ہمارا یہ تفریحی و معلوماتی پروگرام ختم ہوا۔

مشق

۱۔ شیشہ کن تین چیزوں سے مل کر بنتا ہے؟

۲۔ ریت میں فولاد کے ذرات رہ جائیں تو شیشہ کیسا ہو جاتا ہے؟

۳۔ بلب اور صراحیاں وغیرہ شیشے سے کس طرح بنتی ہیں؟

۴۔ جن برتنوں میں کچھ نقص رہ جاتا ہے ان کا کیا کرتے ہیں؟

۵۔ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

[illegible]

۶۔ شیشے کے برتن کس طرح بنتے ہیں، اس عنوان پر دو پیراگراف لکھیے۔

۷۔ اگر آپ نے کسی کارخانے کی سیر کی ہو تو اس کا حال ایک پیراگراف میں لکھیے۔

قائم پاکستان رہے

ہم سے وطن کی شان رہے
قائم پاکستان رہے

پاکستان کے ہم متوالے عالی ہمت اور جیالے
اک اللہ سے ڈرنے والے جب تک ہم میں جان رہے

ہم سے وطن کی شان رہے
قائم پاکستان رہے

جب بھی ہم نے قدم بڑھایا صحرا کو گلزار بنایا
ہم پہ رہے رحمت کا سایا اور محکم ایمان رہے

ہم سے وطن کی شان رہے
قائم پاکستان رہے

کِھلا رہے اُمید کا گلشن بھرا رہے خوشیوں سے دامن
علم سے ہر اک ذہن ہو روشن اللہ کا احسان رہے

ہم سے وطن کی شان رہے
قائم پاکستان رہے

پرچم چاند ، ستارے والا جس سے ہے آنکھوں میں اُجالا
اپنی عزت کا رکھوالا لہراتا ہر آن رہے

ہم سے وطن کی شان رہے
قائم پاکستان رہے

مشق

۱۔پاکستان کے رہنے والوں کی کیا خصوصیات ہیں؟
۲۔تیسرے بند میں شاعر نے کس خواہش کا اظہار کیا ہے؟
۳۔ہمارے قومی پرچم کے لیے شاعر نے کیا دُعا کی ہے؟
۴۔ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

عالی ہمت - جیالے - صحرا - محکم - ہر آن - متوالے - کردار - گلشن - روشن - رہبر۔

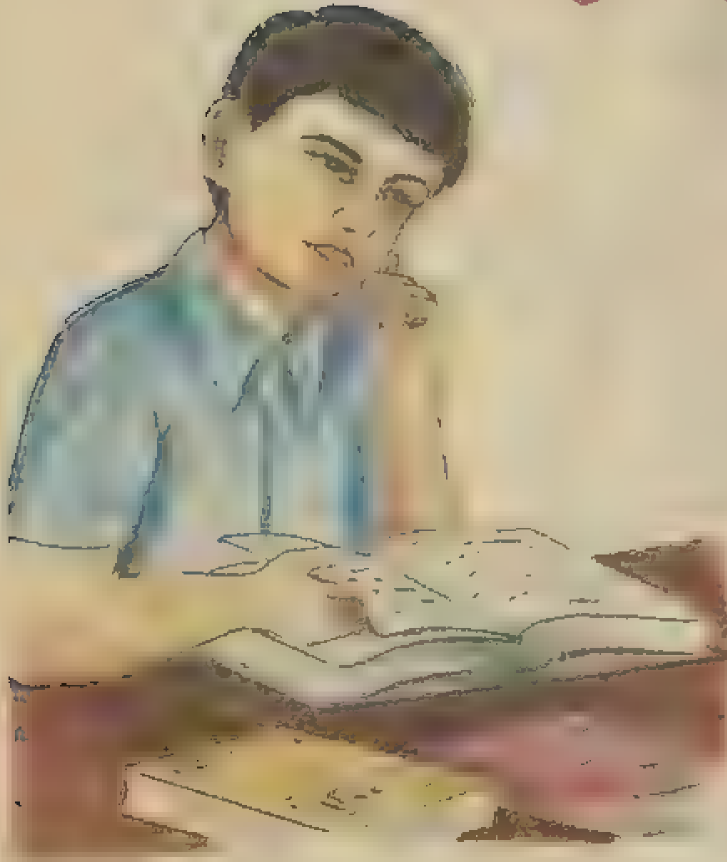
۵۔جُملے مکمل کیجیے:

(الف) وطن ۔۔۔ ۔۔۔ شان ہم سے ہے
(ب) اُمید ۔۔۔ ۔۔۔ گلشن کھلا رہے
(ج) ہم پہ رہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ کا سایا
(د) بھرا رہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ سے دامن
(ہ) ۔۔۔۔۔۔۔۔ چاند، ستارے والا
(و) لہراتا ہر ۔۔۔۔۔۔۔۔ رہے

۶۔دوسرے بند کے قافیے، بڑھیا، بنایا اور سایا ہیں۔ ان کے ہم قافیہ تین الفاظ اور لکھیے۔
۷۔نظم کے آخری بند کا مطلب اپنی کاپی میں لکھیے۔
۸۔پاکستان کے لیے شاعر نے جس شعر میں بار بار خواہش کا اظہار کیا ہے۔ وہ شعر خوش خط لکھیے۔



یہ تماشا کتاب میں دیکھا



شاید ہی کوئی بچہ ایسا ہو جسے نئی نئی جگہیں دیکھنے اور نئے نئے لوگوں سے ملنے کا شوق نہ ہو۔ شہروں میں رہنے والے بچوں کو شوق ہوتا ہے کہ اسکول کی چھٹیوں میں دیہات میں جائیں اور وہاں کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ جب کہ دیہات کے بچوں کی خواہش ہوتی ہے کہ شہروں کی سیر کریں۔ یہی نہیں بلکہ اکثر بچوں کو تو اپنے ملک سے باہر کے شہروں کی سیر کرنے اور وہاں کے لوگوں کے رہن سہن اور رسم و رواج کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بھی بے حد شوق ہوتا ہے۔ پھر جو بچے چند جگہوں کی سیر کر لیتے ہیں۔ اُن کے شوق میں کمی نہیں آتی بلکہ وہ جتنی زیادہ جگہیں دیکھتے ہیں اُتنا ہی اُن کے اس شوق میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو اس شوق میں اپنا وطن، گھر بار اور عزیز و اقارب سب کچھ چھوڑ کر سیاح بن جاتے ہیں اور زندگی بھر ملک ملک کی سیر کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن ہر شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ ہر انسان کے پاس نہ تو اتنا وقت ہوتا ہے اور نہ پیسہ کہ وہ اپنے سارے کام چھوڑ کر دُنیا کی سیر کے لیے نکل جائے۔ پھر آخر اُس کے دُنیا دیکھنے کے شوق کی تسکین کس طرح ہو؟

حقیقت میں ایک ایسی آسان ترکیب موجود ہے جس کے ذریعے ہم نہ صرف یہ کہ موجودہ دنیا کے گوشے گوشے کی سیر کر سکتے ہیں، ہر قوم اور ہر علاقے کے لوگوں کے بارے میں واقفیت اور ان کے حالات بھی جان سکتے ہیں۔ بلکہ ان شہروں کی بھی سیر کر سکتے ہیں جو ہزاروں سال پہلے موجود تھے لیکن اب مٹ چکے ہیں۔ یہ ترکیب کتابوں کا مطالعہ ہے۔

مُطالعہ ایسی چیز ہے جس کے ذریعے ہم آرام سے گھر میں بیٹھے بیٹھے دُنیا کے ہر ملک کی سیر کر سکتے ہیں۔ ہر قوم کے افراد سے مل سکتے ہیں۔ قدیم و جدید ہر قسم کے واقعات جان سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آج امریکا میں کیا

ہو رہا ہے یا ایک ہزار سال قبل اسلامی ملکوں کی کیا شان و شوکت تھی اور کس طرح مسلمانوں نے اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے ساری دنیا میں اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑے تھے۔

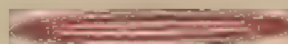


مطالعے کی مدد سے ہم تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ جغرافیائی حالات بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ افریقہ میں کس کس قسم کے جانور پائے جاتے ہیں۔ سمندر کی تہ میں اللہ تعالیٰ کی کیسی کیسی عجیب مخلوق بستی ہے۔ ہمارے ملک میں کیا کیا چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور دوسرے ملکوں میں کیا کیا؟ غرض ہمیں زمین کے ذروں سے لے کر آسمان کے تاروں تک جو جو چیزیں نظر آتی ہیں مطالعے کے ذریعے ہم اُن سب کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ معلومات حاصل کر کے معلومات عامہ کے مقابلوں میں انعامات بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

مُطالعے کی مدد سے ہم اپنے ہر شوق مثلاً باغبانی، مصوری، مضمون نویسی وغیرہ کے بارے میں بھی بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور ان معلومات کے نتیجے میں اپنے شوق کو بہتر طریقے سے پورا کر سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ دنیا کا کوئی واقعہ ایسا نہیں جو مطالعے کے ذریعے معلوم نہ کیا جا سکے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کا علم مُطالعہ کے ذریعہ حاصل نہ ہو سکے اور کوئی ایسا علم نہیں جو مُطالعے کے ذریعے نہ سیکھا جا سکے۔ غرض مُطالعے کے ذریعے انسان دنیا اور آخرت کی ہر کامیابی حاصل کرنے کا اہل قرار پاتا ہے۔

بیٹھ کر سیرِ دوجہاں کرنا
یہ تماشا کتاب میں دیکھا



مشق

۱۔ ہم گھر بیٹھے دنیا کی سیر کس طرح کر سکتے ہیں؟

۲۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں جاننے کے لیے آپ کیا کریں گے؟

۳۔ ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

گھر بیٹھے - مطالعہ - معلوماتِ عامہ - مضمون نویسی - دنیا اور آخرت - اہل۔

۴۔ ان الفاظ کے واحد لکھیے:

[illegible] - حالات - مواقع - ادوار - واقعات - معلومات - اخبار - نتائج - علوم۔

۵۔ "میری پسندیدہ کتاب" پر ایک پیراگراف لکھیے۔

سرگرمی

اپنے اسکول کی لائبریری میں جا کر کتابوں کی فہرست دیکھیے پھر جو کتابیں آپ کو پسند ہوں وہ حاصل کر کے پڑھیے۔



حکایاتِ سعدیؒ

۱

ایک بادشاہ بڑا ظالم تھا۔ اپنی رعایا پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا۔ بے شمار لوگوں کو قید میں ڈال رکھا تھا۔ ایک دفعہ اُس کے جسم پر ایک ایسا پھوڑا نکلا جس میں سخت جلن تھی۔ بادشاہ نے ہزار علاج کیا لیکن پھوڑا بجائے ٹھیک ہونے کے بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ اس پھوڑے کی تکلیف سے سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ ایک دن بادشاہ مایوسی کی حالت میں بیٹھا تھا کہ ایک درباری نے اُسے ایک بزرگ کا پتہ بتایا جو اپنی نیکی اور دُعا کی قبولیت کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ اس نے کہا کہ اگر وہ بزرگ دُعا کریں تو ممکن ہے آپ کو اس مُوذی مرض سے نجات مل جائے۔

بادشاہ نے اس بزرگ کو دربار میں بُلوایا اور درخواست کی کہ وہ اُس کے لیے دُعا کریں۔ بزرگ نے کہا "اے بادشاہ! مجھ ایک شخص کی دُعا اُن لاکھوں مظلوموں کی بددعاؤں کا کس طرح مُقابلہ کرسکے گی جو تیرے ہاتھوں تکلیف اور مصیبت میں مُبتلا ہیں۔ جب تک تو اُن مجبوروں پر رحم نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم نہیں کرے گا۔"



بادشاہ پر بزرگ کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ اُس نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو فوراً رہا کیا جائے اور آئندہ کسی بے گناہ پر ہرگز سختی نہ کی جائے۔ جب بزرگ کو اطمینان ہو گیا کہ تمام قیدی رہا ہو گئے ہیں تو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! تُو نے اس بادشاہ کو اس لیے تکلیف میں مبتلا کیا تھا کہ یہ تیرے بندوں کو تکلیف دے رہا تھا۔ اب اُس نے اس برائی سے توبہ کر لی ہے تو بھی اُس کی تکلیف دُور فرما دے۔

ابھی بزرگ دعا سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بادشاہ کو شفا عطا فرما دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بزرگ کے سر پر زر و جواہر نچھاور کیے جائیں۔ بزرگ نے اُن زر و جواہر کو ٹھکراتے ہوئے کہا۔ اے بادشاہ! مجھے ان زر و جواہر کی حاجت نہیں اور نہ ان زر و جواہر سے تیرے مرض کا کوئی تعلق ہے۔ میری ایک نصیحت یاد رکھنا کہ رعایا پر پھر سے ظلم و ستم شروع نہ کر دینا ورنہ تو دوبارہ بیمار ہو جائے گا اور پھر شاید کسی کی دعا بھی تجھے فائدہ نہ پہنچا سکے۔ انسان ایک بار پھسل کر تو سنبھل سکتا ہے لیکن بار بار پھسلنے والا اُٹھنے کے قابل نہیں رہتا۔"

۲

ایک روز شاہِ روم کے دربار میں عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کا ذکر چل نکلا۔ کئی درباریوں نے حاتم کی سخاوت اور دریا دلی کی تعریف کی۔ انھوں نے کہا کہ اس کے پاس ملک ہے نہ مال، لیکن سخاوت میں اپنی مثال آپ ہے۔ شاہِ روم کہنے لگا: "جب تک خود اس کی سخاوت کا مشاہدہ نہ کر لوں میں آپ لوگوں کی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔" اہلِ دربار نے کہا: "حضور! آپ جس طرح چاہیں اس کا امتحان لیں وہ سخاوت کے معاملے میں آپ کی ہر آزمائش پر پورا اُترے گا۔"

بادشاہ بولا: میں نے سنا ہے حاتم کے پاس ایک ایسا صبا رفتار گھوڑا ہے جس کی نظیر پورے عرب میں نہیں۔ میں حاتم سے وہ گھوڑا مانگتا ہوں۔ اگر اس نے اپنا وہ بے مثل گھوڑا مجھے بھیج دیا تو میں اس کی سخاوت کا قائل ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے کچھ لوگوں کو حاتم طائی کی طرف روانہ کر دیا۔

جس وقت بادشاہ کے آدمی حاتم طائی کے پاس پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ حاتم طائی نے مہمانوں کو عربوں کی روایتی مہمان داری کے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہرایا اور اُن کی خاطر تواضع شروع کر دی۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر سب سو گئے۔ جب صبح بیدار ہوئے تو حاتم طائی سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

حاتم نے کہا: "افسوس! میں شاہ رُوم کی یہ خواہش پُوری نہیں کرسکتا۔"

"آخر کیوں!" بادشاہ کے آدمیوں نے تعجب سے پُوچھا۔

"اس لیے کہ رات آپ لوگ جس وقت تشریف لائے۔ میرے یہاں ذبح کرنے کو کوئی دوسرا جانور موجود نہ تھا۔ چنانچہ میں نے وہی گھوڑا ذبح کرکے اُس کے کبابوں سے آپ کی تواضع کی۔ حاتم نے انتہائی افسوس کے ساتھ جواب دیا۔

جب شاہ رُوم کے ایلچیوں نے واپس جاکر یہ واقعہ سُنایا تو شاہ رُوم حاتم طائی کی سخاوت پر عَش عَش کر اُٹھا۔

رسُولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ مُبارک میں حاتم طائی کا انتقال ہوچکا تھا۔ لیکن اس کی اولاد زندہ تھی۔ ایک مرتبہ جنگی قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی آئی۔ رسول اکرم ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ اس کے سر پر چادر نہیں ہے تو اپنے مُبارک کاندھوں سے چادر اُتار کر اُسے اُڑھادی اور اُس کے باپ کی سخاوت کا خیال فرماتے ہوئے نہ صرف اُسے آزاد کردیا بلکہ دو مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اُسے اُس کے بھائی کے پاس پہنچا آئیں۔ بھائی کے پاس پہنچ کر حاتم طائی کی بیٹی نے اپنے بھائی سے رسُولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور ہمراہ آنے والے مسلمانوں کی بڑی تعریف کی۔

مشق

۱۔ بادشاہ نے بزرگ کو دربار میں کیوں بُلایا تھا؟

۲۔ بزرگ نے بادشاہ کو کیا نصیحت کی؟

۳۔ بادشاہ کی صحت یابی کی اصل وجہ کیا تھی؟

۴۔ شاہ رُوم نے حاتم طائی کی سخاوت کی آزمائش کس طرح کی؟

۵۔ حاتم طائی نے سخی ہونے کے باوجود شاہ روم کی خواہش کیوں پوری نہ کی؟

۶۔ مُذکّر کے مُؤنّث اور مُؤنّث کے مُذکّر لکھیے:

فقیر۔ بادشاہ۔ بیٹا۔ گھوڑا۔ مرد

۷۔ حکایت کی جمع حکایات ہے۔ اور حکایت اس قصے یا کہانی کو کہتے ہیں جس میں کوئی سبق آموز واقعہ بیان کیا گیا ہو۔ آپ بھی ایسی ہی چند حکایات جو آپ کے بزرگوں سے سنی ہوں اپنی کاپی میں لکھیے۔

۸۔ اپنے علاقے کے کسی سخی آدمی کے بارے میں اپنی جماعت کو بتایئے۔

نصیر خان نُوری

ہمارے صُوبے کے شمال مغرب میں صوبہ بلوچستان واقع ہے۔ ہم جو یہ انگور، سیب، آلو بخارے، خُوبانیاں اور خُشک میوے کھاتے ہیں، ان میں سے اکثر بلوچستان ہی سے آتے ہیں۔ بلوچ اپنی جفاکشی، بہادری اور خودداری کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ بلوچستان نے جو قابلِ فخر لوگ پیدا کیے، ان میں نصیر خان نوری کا نام بہت زیادہ مشہور ہے۔ آئیے! ہم آپ کو نصیر خان نُوری کے حالات اور اُس کے کارنامے بتاتے ہیں۔

نصیر خان قلّات کے مشہور حکمراں میر عبداللہ خان کا بیٹا تھا۔ جب عبداللہ کے بعد نصیر خان کا سوتیلا بھائی تخت پر بیٹھا تو اُس نے کم سِن نصیر خان اور اُس کی ماں مریم بی بی کو یرغمال کے طور پر ایران کے بادشاہ نادر شاہ کی قید میں دے دیا۔ اس طرح نصیر خان کا بچپن ایک قیدی کی حیثیت سے گزرا۔ اور نادر شاہ کی قید میں رہتے ہوئے بھی نصیر خان کی ذاتی خُوبیاں ظاہر ہوئے بغیر نہ رہیں۔

ایک مرتبہ نصیر خان نادر شاہ کے دربار میں بیٹھا تھا۔ نادر شاہ نے جو اسے نصیر کے بجائے "اسیر" یعنی قیدی کہہ کر پکارتا تھا اُس سے پانی مانگا۔ صُورت یہ تھی کہ پانی کا مشکیزہ ایک اونچی کھونٹی پر لٹکا ہوا تھا اس تک کم سن نصیر کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا اور نادر شاہ جیسے ظالم بادشاہ کے حکم کی تعمیل فوراً کرنی تھی۔ نصیر خان نے قریب رکھا ہُوا شاہانِ ایران کا مشہور تخت، تختِ طاؤس کھینچ کر دیوار کے قریب کیا اور اُس پر چڑھ کر مشکیزے میں سے پانی لے لیا۔ نادر شاہ نے تختِ طاؤس کو ایک قیدی کے پیروں تلے دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا، نیام سے تلوار نکالی کہ نصیر کا سر قلم کردے۔ لیکن اُس کے وزیر احمد شاہ ابدالی نے بچّے کی جاں بخشی کی سفارش کی۔ نادر شاہ نے نصیر سے ڈانٹ کر پُوچھا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی۔ نصیر نے بے باکی سے جواب دیا۔ نادری حُکم کی تعمیل میں۔ نادر شاہ اس کی جرأت اور حاضر جوابی سے بڑا متأثر ہوا اور اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ بچہ آگے چل کر بڑا آدمی بنے گا۔ اس واقعے کے بعد نادر شاہ نے کبھی اُسے "اسیر" نہیں کہا۔

نادر شاہ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ نادر شاہ کے قتل کیے جانے کے بعد اس کے وزیر احمد شاہ ابدالی نے افغانستان میں اپنی حکومت قائم کی اور میر نصیر خان احمد شاہ ابدالی کی مدد سے اپنے سوتیلے بھائی کی جگہ قلات

کا سردار بنا۔ اس زمانے میں قلات ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کے حکمران عام طور پر افغانستان کے بادشاہ کے زیر اثر ہوتے تھے۔ لیکن میر نصیر خان نے بلوچوں کے بکھرے ہوئے قبیلوں کو متّحد کر کے اُن کی مدد سے قلات کو ایک خود مختار ریاست میں تبدیل کر دیا۔ ساتھ ہی اُس نے اپنی فوج کو جدید انداز پر ایسی تربیت دی کہ وہ کم تعداد میں ہوتے ہوئے بھی بڑے سے بڑے لشکر کا مقابلہ کر سکے۔

احمد شاہ ابدالی کو یہ بات ناگوار گزری۔ لہٰذا وہ ایک بڑا لشکر لے کر قلات پر حملہ آور ہوا۔ نصیر خان جانتا تھا کہ کھلے میدان میں وہ احمد شاہ کی لاتعداد فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چناں چہ وہ قلات کے قلعے میں محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ احمد شاہ ابدالی چالیس روز تک قلعے کو گھیرے میں لیے رہا لیکن قلعہ فتح نہ کر سکا۔ چناں چہ مجبور ہو کر اس نے نصیر خان سے صلح کر لی اور اسے قلات کا آزاد اور خود مختار حکمران تسلیم کر لیا۔

اس صلح کے بعد نصیر خان نے ہمیشہ احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کی مدد سے ایران اور ہندوستان کے اکثر علاقے فتح کیے اور اس امداد کے لیے وہ زندگی بھر میر نصیر خان کا شکر گزار رہا اور اسی شکر گزاری کے اظہار کے طور پر اُس نے نصیر خان کی والدہ کو کوئٹے کا علاقہ تحفے میں دیا۔

نصیر خان ایک بہادر سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کا منتظم اور انتہائی دین دار آدمی تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں تجارت کو بہت فروغ حاصل ہُوا۔

نصیر خان کی دین داری کی وجہ سے بلوچ اسے میر نصیر دین اور میر نصیر نوری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُس نے ملک کے لوگوں میں دین داری کا شوق پیدا کرنے کے لیے علما کی ایک کمیٹی بنائی تھی جو شہر شہر اور گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو اسلام کے اُصول اور اس کے فائدے سمجھاتی اور قبیلوں کے سرداروں کو اس بات کا ذمے دار بناتی کہ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں سے اسلام کے ارکان کی پابندی کرائیں۔ جو لوگ اسلام کے خلاف کوئی کام کرتے یہ کمیٹی اُن کو کوڑوں کی سزا دیتی۔

نصیر خان نُوری کا دورِ حکومت تجدد، سلطنت کی وُسعت، امن و امان، تجارتی ترقّی اور دین داری غرض ہر لحاظ سے بلوچستان کا سنہری دور تھا۔ آج بھی لوگ جب قلات آتے ہیں تو اپنے اس محسن کی قبر پر بڑے احترام سے فاتحہ پڑھتے ہیں۔

مشق

١- نادر شاہ میر نصیر کو اسیر کیوں کہتا تھا؟

٢- نادر شاہ نے میر نصیر کے بارے میں کیا پیشین گوئی کی تھی؟

٣- میر نصیر نے ریاست قلّات کی ترقّی کے لیے جو کام کیے اُن میں سے تین خاص کام بتائیے:

٤- نیچے دیے ہوئے فقرے فعل [illegible] سے بنے ہیں- آپ ان جیسے فقرے فعل [illegible] سے بنا کر ان کے سامنے لکھیے:

پہیلی

وہ اُڑتا ہے لیکن پرندہ نہیں ہے
کسی پیڑ کا کوئی پتّا نہیں ہے
پتنگا ہے وہ ور نہ ہے وہ پتنگ
مگر اس میں اُڑنے کی ہے اک ترنگ
نہ وہ بھوت ہے اور نہ شیطان ہے
نہ اس میں ہماری طرح جان ہے
جو نزدیک ہو تو چیل جیسا بنے
جو اُڑ جائے اونچا ستارہ بنے
زمانے میں ہے اس کی تیزی کی دھاک
وہ جاتا ہے لے کر ولایت کی ڈاک
نہیں عام ہر چند اس پر سفر
زن و مرد کرتے ہیں اکثر سفر
لڑائی میں بھی خوب آتا ہے کام
وہ دشمن کا کرتا ہے جینا حرام
سنا تھا جو، دیکھا وہ آنکھوں سے حال
ہے تختِ سلیماںؑ کی وہ اک مثال

یہ ہم نے بتایا کہ ہے کام کیا
اور اب تم یہ بوجھو کہ ہے نام کیا

مشکور احمد رحمتؔ

مشق

۱۔ اس پہیلی کو بوجھیے۔

۲۔ اس شعر کی تشریح کیجیے:

سنا تھا جو، دیکھا وہ آنکھوں سے حال
ہے تختِ سلیماں علیہ السلام کی وہ اک مثال

۳۔ ذیل کے الفاظ کے معنی بتائیے:

دھاک۔ حرام۔ ہر چند۔ بوجھنا۔

۴۔ ذیل کے الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

پرندہ۔ پتنگا۔ پتنگ۔ دھاک۔ سفر۔ دشمن۔ مثال۔

۵۔ اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی

شہر اور گاؤں

ہمارے سکول میں آج ایک مُقابلہ ہوا۔ مُقابلہ بڑا دلچسپ تھا۔ ہماری جماعت کے چار بچّوں کی دو ٹیمیں بنائی گئیں۔ ایک ٹیم کا نام "گاؤں کی ٹیم" اور دوسری ٹیم کا نام "شہر کی ٹیم" رکھا گیا۔ ہر ٹیم کو اپنے علاقے کی خوبیاں اور دوسرے کے علاقے کی خامیاں اور مسائل بتانے تھے۔ اس تیاری کے لیے ہمیں پندرہ دن دیے گئے تھے۔ اس لیے آج دونوں ٹیمیں پوری طرح تیار تھیں۔

ہمارے صدر مُدرّس صاحب اس مُقابلے کے مُنصِف تھے۔ مُقابلہ شروع ہونے سے پہلے دوسرے استاد صاحبان بھی تشریف لے آئے۔ ہمارے اُستاد صاحب نے مُقابلے کے آغاز کے لیے صدر مُدرّس صاحب سے پرچی اُٹھوائی۔ پرچی شہر کی ٹیم کی نکلی۔ چنانچہ مُقابلے کی اِبتدا شہر کی ٹیم سے اس طرح ہوئی:

جنابِ صدر! گاؤں کے لوگ علم سے کورے ہوتے ہیں۔ انھیں اپنی صحّت کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔



ان کے میلے کُچیلے کپڑے اور سڑے ہوئے گندے پانی کے گڑھے کتنے برے لگتے ہیں۔ انھیں اس بات کا بھی شعُور نہیں کہ اپنے گلی کوچوں کو کس طرح صاف سُتھرا رکھا جائے۔ گاؤں میں جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں۔ ہر طرف گندے پانی کے گڑھے ہوتے ہیں۔ ان سے بدبو اُٹھ رہی ہوتی ہے اور مکھی مچھر بِھنبھنا رہے ہوتے ہیں۔ جن سے ہیضہ اور ملیریا جیسی خطرناک بیماریاں پھیلتی ہیں۔ وہاں ڈاکٹر نہ اسپتال اور نہ ہی میڈیکل اسٹور۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہاں کوئی کوشش بھی نہیں کرتا کہ گاؤں کی حالت بہتر ہو۔

اب ماسٹر صاحب نے گاؤں کی ٹیم کے ایک بچّے کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اپنی بحث کا آغاز کرے۔ اشارہ پاتے ہی گاؤں کی ٹیم کا ایک بچہ کھڑا ہوا اور بحث کا آغاز کیا:

جنابِ صدر! میرے دوست نے گاؤں کی زندگی کا صرف ایک رُخ دکھایا ہے۔ اس کی خوبیاں اور اچھائیاں انھیں نظر ہی نہیں آئیں۔ ہمارے گاؤں میں پانچویں جماعت تک اسکول ہے۔ میں بھی پانچویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ خط لکھ سکتا ہوں۔ اپنا حساب کتاب کرسکتا ہوں۔ ہمارا گاؤں شہر سے دُور ضرور ہے مگر ہمارے یہاں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں ہے۔ ہر چیز کثرت سے ہوتی ہے اور تازہ ہوتی ہے۔ دراصل گاؤں کی زندگی بڑی پرسکون ہوتی ہے۔ ہم سب مِل جُل کر رہتے ہیں۔ ایک دُوسرے کے دُکھ درد میں اس طرح شریک ہوتے ہیں جیسے وہ ہمارا ہی دُکھ ہو۔ گاؤں کے جتنے کام ہوتے ہیں ان میں ہم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں شہر میں افراتفری کا عالم ہوتا ہے۔ کوئی کسی کو جانتا تک نہیں۔ کسی کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے، بیمار ہے، یا بے روزگار ہے۔ شہر والے اپنی اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ انھیں دوسرے کی پروا نہیں ہوتی۔

وقت ختم ہوتے ہی ماسٹر صاحب نے اس مرتبہ شہر کی ٹیم کے دوسرے بچّے کی طرف بحث کے لیے اشارہ کیا۔ وہ بچہ اپنی باری کا منتظر تو تھا ہی، بولا:

"جنابِ صدر! گاؤں والوں کی باتیں دل کو لگتی ہیں۔ شہر میں لوگوں کا یہی حال ہے۔ لیکن جنابِ والا! یہ بھی تو دیکھیے کہ شہر کے لوگوں نے ترقّی کتنی کی ہے! کتنا علم حاصل کرلیا ہے! اس کے مقابلے میں گاؤں والوں کو علم کی کمی نے ترقّی سے روک دیا ہے۔ شہر میں نئے نئے ڈزائن کے خوبصورت مکانات، پکّے راستے،

نت نئی سواریاں، جدید اسپتال، اعلیٰ تعلیمی ادارے اور ہزار قسم کے کارخانے ہیں۔ جن میں زندگی کی ضرورت کی ہر چیز بنتی ہے۔ جب کہ گاؤں کے لوگ ان سہولتوں سے محروم ہیں۔ وہاں تو صرف کھیتی باڑی ہوتی ہے یا مویشی پالے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں چھوٹی موٹی گھریلو صَنعَت لگی ہوتی ہے۔ جس سے مُختَصَر سی آمدنی ہوجاتی ہے۔ شہر کی زندگی سے اس کا بھلا کیا مُقابلہ۔

اب ماسٹر صاحب نے گاؤں کی ٹیم کے دوسرے بچّے کو اشارہ کیا۔ وہ بچّہ بولا:

'جناب صدر! شہر میں رہنے سے کوئی بڑا نہیں بن جاتا۔ وہاں کے لوگوں میں ایکا ہے نہ مُحبّت۔ یہ لوگ سُست، کاہل اور محنت مَشَقّت سے جی چُراتے ہیں۔ اپنا کام خود کرنے کے بجائے دوسروں کا مُنہ تکتے ہیں۔ علم ہونے کے باوجود شہر میں جو گندگی ہے اس کا ذمّے دار کون ہے؟ اکثر بیشتر گٹروں میں سے گندا پانی اُبل پڑتا ہے۔ صِحَّت کے سارے اُصول دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ راستہ چلنا دوبھر ہوجاتا ہے۔ ویسے بھی شہر میں آنے جانے کی مشکل رہتی ہے۔ اندھا دھند تیز رفتار سواریاں لوگوں کو کچل ڈالتی ہیں۔ ہر طرف گاڑیوں اور کارخانوں کا دھواں۔ نہ سانس لینے کو تازہ ہوا مُیَسَّر، نہ کھانے کو تازہ پھل اور سبزیاں نصیب۔ ان سے تو ہم گاؤں کے لوگ مزے میں ہیں۔ سادہ اور تازہ غذا کھاتے ہیں۔ صاف ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ آمدورفت کے لیے سواری کے محتاج نہیں۔ پیدل چلنا پسند کرتے ہیں۔ رات کو چین کی نیند سوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے!

ابھی بحث چل ہی رہی تھی کہ صدر مدرس صاحب نے مُقابَلہ خَتْم کرنے کا اعلان کردیا۔ انھوں نے فرمایا: ' دراصل شہر اور گاؤں والے دونوں ہی مُعاشَرے کے لیے اہم ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس لیے سب مِل جُل کر رہیں گے تو سارے مَسائل حل کرسکتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ ان بچوں نے بہت اچھی تیاری کی ہے اور ہر ٹیم نے اپنے اپنے طور پر بہت عمدہ بحث کی ہے اور دونوں علاقوں کے مسائل کو بہتر طور پر بیان کیا ہے۔ اس لیے میرے نزدیک دونوں ٹیمیں برابر ہیں۔ میں دونوں کو برابر کا انعام دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے ہر بچّے کو ایک ایک اُردو لُغَت اِنعام میں دی۔

صَدرِ مُدَرِّس صاحِب کی اس بات پر سب لوگ بہت خوش ہوئے اور جوش میں آکر سب نے تالیاں بجائیں۔

مشق

۱۔ آج اسکول میں کس چیز کا مقابلہ تھا؟

۲۔ شہر کے مسائل کو ہم کیسے سلجھا سکتے ہیں؟

۳۔ گاؤں کی زندگی کو کیسے بہتر بنایا جاسکتا ہے؟

۴۔ ہم ہیضے اور ملیریا کو پھیلنے سے کس طرح روک سکتے ہیں؟

۵۔ سبق میں دیے ہوئے مسائل کے علاوہ آپ شہر کے کچھ اور مسائل بتائیے۔

۶۔ گاؤں کی زندگی کی کچھ اور خوبیاں بیان کیجیے۔

۷۔ ذیل کے الفاظ کی جمع یا واحد لکھیے:

علم۔ مکانات۔ حالت۔ ادارے۔ خط۔ مسائل۔

۸۔ مندرجہ ذیل کو جملوں میں استعمال کیجیے:

[illegible]

۹۔ بچے شہری زندگی اور مسائل پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھیں۔



مغرور اور شیخی خور کو اللہ پسند نہیں کرتا

غُرور کا سَر نیچا

ایک دفعہ کچھ لوگ ایک نہر کے کنارے تفریح کے لیے گئے۔ ان میں ایک بچی بھی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا غبارا تھا۔ تیز ہوا کا ایک جھونکا جو آیا تو غبارا بچی کے ہاتھ سے چھوٹ کر نہر میں جا گرا۔ بچی ہاتھ ملتی رہ گئی اور غبارا یہ جا وہ جا۔ بچی کے ابو نے اسے رنجیدہ دیکھا تو دلاسا دیا کہ بیٹی جانے دو ہم شہر چل کر تمھیں اور دلا دیں گے۔

اس طرح وہ لوگ تو تھوڑی دیر ہوا خوری کر کے واپس چلے گئے مگر غبارا نہر کی لہروں پر تیرتا رہا اور تیرتے تیرتے کنارے پر آ لگا۔ اس جگہ اتفاق سے مینڈکوں کے بچے کھیل رہے تھے۔ ان کی نظر جو اس عجیب و غریب چیز پر پڑی تو سب اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ پہلے تو ڈر کے مارے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ غبارے کو چھوئیں۔ مگر جب ایک بچے کا پاؤں اتفاق سے غبارے سے جا ٹکرایا اور غبارے نے کچھ نہ کہا تو اسی بچے نے جان بوجھ کر دوبارہ غبارے کے لات ماری۔ لات لگنے سے غبارا ذرا ہلا۔ سب کو بڑا مزہ آیا، اوروں نے بھی ہمت کر کے اس کے لاتیں رسید کیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب کے سب بچے اس پر پل پڑے۔ کوئی لات مارتا، کوئی چھلانگ لگا کر سر سے ٹکر مارتا اور کوئی اس کی نلکی منہ میں لے کر اسے دور تک لے جاتا۔



غبارا مینڈک کے بچوں کی اس دھما چوکڑی سے ایسا گھبرایا کہ اسے وہاں سے بھاگتے ہی بن پڑی۔ وہ لہروں کے ساتھ ساتھ تیرتا ہوا گہرے پانی کی طرف چلا آیا۔ مینڈک کے بچوں نے کچھ دور تو اس کا تعاقب کیا مگر جب وہ زیادہ گہرے پانی میں پہنچ گیا تو ایک ایک کر کے سب واپس ہو گئے۔ انھیں ان کے ماں باپ نے

گھر سے پانی میں جانے سے منع کر رکھا تھا کیوں کہ وہاں بڑی بڑی مچھلیاں اُنھیں ہڑپ کرنے کے لیے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ واپسی میں وہ ایک دُوسرے کو غبارے کے بھگا دینے کا الزام دینے لگے۔ ایک کہتا تُونے زور سے لات ماری تھی وہ تجھ سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ دُوسرا کہتا اور تُو نے جو اُس کی چونچ پکڑ کر کھینچی تھی۔ تُجھ سے ناراض ہو کر گیا ہے۔

یہاں یہ جھگڑا چل ہی رہا تھا کہ سامنے سے ایک مغرور مینڈک آتا دکھائی دیا۔ یہ مینڈک اپنے آپ کو نہ معلوم کیا سمجھتا تھا۔ ہر ایک سے حقارت سے بات کرتا تھا اور کسی کو اپنے برابر نہیں جانتا تھا۔ اُس کے اس غُرور و تکبّر کو دیکھ کر سب مینڈکوں نے اُسے مغرور مینڈک کہنا شروع کر دیا تھا۔ مغرور مینڈک نے اتنے بچّوں کو ایک ساتھ دیکھا تو دُور ہی سے بولا 'میرے راستے میں کیوں کھڑے ہو، دیکھ نہیں رہے ہو میں آ رہا ہوں؟ کیا کر رہے ہو یہاں؟ بچے ڈر کے مارے خاموش رہے تو اُس نے پھر کہا 'سنتے نہیں ہو میں کیا پُوچھ رہا ہوں؟ کیا کر رہے تھے یہاں؟ مینڈک کے بچے تھے تو شریر مگر جھوٹے نہیں تھے۔ اُنھوں نے سچ سچ بتا دیا کہ وہ ایک بڑی سی چیز کے تعقُّب میں ادھر نکل آئے تھے۔ مغرُور مینڈک نے گرج کر پُوچھا 'کیا تھی وہ بڑی سی چیز؟' بچّوں میں سے ایک نے کہا: 'جی وہ ایسا تھا جیسے مچھلی کے پیٹ میں سے نکلتا ہے نا مگر وہ بہت بڑا تھا گول'۔ 'دوسرے بچّے نے اضافہ کیا۔ 'بہت موٹا۔ بالکل گول۔' تیسرے کو بھی بولنے کی ہمّت ہوئی۔

"بُہت موٹا بالکل گول' ! مغرُور مینڈک نے تیسرے بچّے کی نقل کرتے ہوئے غُصّے سے کہا۔ پھر بولا: کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ موٹا تھا؟' یہ کہہ کر وہ غُرور سے ذرا اور پھول گیا۔

اس کی یہ حرکت دیکھ کر بچے اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ کہاں وہ لله کہاں یہ؟ بچّوں کی اس بات پر مینڈک کا پارا اور چڑھ گیا اس نے ڈانٹ کر پُوچھا 'بولتے کیوں نہیں؟ کیا وہ اس سے بھی موٹا تھا؟' یہ کہہ کر مینڈک نے خود کو اور بھی پھلا لیا۔ بچّوں نے ایک زبان ہو کر کہا 'اس سے بھی موٹا اس سے بھی گول۔' مغرُور مینڈک کو یہ جواب

سُن کر اور بھی زیادہ غصّہ آیا اُس نے ایک لمبا سانس لے کر پورے پیٹ میں ہَوا بھرلی اور پھر پُوچھا: "اس سے بھی موٹا؟ اس سے بھی گول؟" اب تو وہ اتنا پھول گیا تھا کہ اُس سے بات بھی نہیں کی جارہی تھی مگر غُبّارے کے مُقابلے میں تو وہ اب بھی بہت کم تھا۔ چُناں چہ بچّوں نے پھر یک زبان ہو کر وہی جواب دُہرایا۔ "اس سے بھی موٹا، اس سے بھی گول۔" اب تو مغرُور مینڈک کے غُصّے کی کوئی حد ہی نہیں رہی۔ اُس نے خود کو حد سے زیادہ پُھلا لیا اور بولا "اس سے بھی ..." مگر اس سے پہلے کہ وہ جُملہ مُکمّل کرتا ایک زور دار آواز پٹاخے جیسی آئی۔ یہ مغرُور مینڈک کا پیٹ پھٹنے کی آواز تھی۔

اس اچانک دھماکے سے مینڈک کے بچے ایک دم اُچھل پڑے، پھر حیرت سے ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے جو عُمر میں سب سے بڑا تھا کہا: "کسی نے ٹھیک ہی تو کہا ہے غُرور کا سَر نیچا۔" نہ یہ مینڈک غُرور کرتا اور نہ اس کا یہ حَشر ہوتا۔"

مشق

۱۔ غُبّارہ کنارے سے واپس کھڑے پانی میں کیوں چلا آیا؟
۲۔ مینڈک کے بچے آپس میں کیوں لڑ رہے تھے؟
۳۔ مغرور مینڈک کا کیا انجام ہوا؟
۴۔ ان الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

۵۔ کوئی اور اپنی پڑھی یا سُنی ہوئی کہانی اپنی کاپی پر لکھیے اور جماعت میں پڑھ کر سُنایئے۔

حُسنِ خلق سے زندگی آرام اور راحت سے بسر ہوتی ہے

ہم ایک ہیں

(ڈراما)

افراد:

سیٹھ۔ ایک چالاک دکان دار
بُدھو۔ سیٹھ کا مُلازم
حلیم، کلیم، جمال، کمال۔ سائیں عبداللہ کے بیٹے

پہلا منظر

(سیٹھ کی دکان)

سیٹھ کسی خیال میں کھویا ہُوا اپنی دکان پر بیٹھا ہے، سوچتے سوچتے سر اُٹھا کر اس طرح چُٹکی بجاتا ہے جیسے کوئی اچھی سی ترکیب ذہن میں آئی ہو پھر مُلازم کو آواز دیتا ہے۔

سیٹھ: بُدھو، او بُدھو!



بُدھو: (دکان کے دروازے سے اٹھ کر آتا ہے) جی سرکار۔

سیٹھ: دیکھو، حلیم کے گھر جا کر کہنا سیٹھ صاحب ملنے آئیں گے۔

بُدھو: وہی سائیں عبداللہ کے بیٹے نا؟ آپ جائیں گے سرکار اُن کے گھر!

سیٹھ: ہاں ہاں وہی، اب تو شاید وہاں کئی بار جانا پڑے۔

بُدھو: سب سرکار ہی جانتے ہیں، بڑوں کا ہی حق ہوتا ہے۔ آپ اُن کے باپ کے زمانے سے ہی نہیں سے

تھے۔ جناب، وہ بڑے غریب پرور آدمی تھے۔

سیٹھ: بس بس، میرے سامنے اُس بُڈھے کی تعریف مت کر۔ بُڈھا بہت چالاک تھا۔ زمین خرید لی، باغ خرید لیے، شہر میں کارخانہ لگالیا، دکان کرلی۔ خیر اب دیکھ لوں گا میں۔

بُدھو: سرکار! وہ مرگئے۔ اب اُن کی کیا بُرائی کرنا۔ آپ کو مالک نے بہت دیا ہے۔ اُن کو اُن کے حال پہ چھوڑ دیجیے۔

سیٹھ: بس جو میں کہہ رہا ہوں وہ کر۔ (بُدھو چلا جاتا ہے)

(خود سے) بُڈھا بہت چالاک بنتا تھا۔ اب دیکھتا ہوں، عبداللہ کی جائداد میرے چنگل سے کس طرح بچتی ہے۔ چاروں بھائیوں میں پھوٹ نہ ڈلوادوں تو میرا نام بھی سیٹھ نہیں۔

(دوسرا منظر)

(حلیم اور کلیم، سائیں عبداللہ کی اوطاق میں بیٹھے ہیں۔ سیٹھ داخل ہوتا ہے)

سیٹھ: آداب عرض کرتا ہوں، حلیم صاحب!

حلیم اور کلیم: آداب عرض۔ تشریف لائیے۔ آپ تو کبھی بھولے سے بھی ہمیں نہیں پوچھتے۔ آج کیسے تکلیف فرمائی؟

سیٹھ: بھئی میں آپ سے معذرت چاہنے آیا ہوں کہ آپ کے والد کے جنازے میں شریک نہیں ہوسکا۔ اُس دن دراصل مجھے بہت تیز بخار تھا۔ بلکہ بخار تو اُسی دن سے آگیا تھا جس دن میں سائیں سے اسپتال میں مل کر آیا تھا پھر دو ہی دن بعد تو اُن کا انتقال ہوگیا۔

حلیم: اچھا! آپ دو روز قبل ملے تھے والد صاحب سے! ہمیں تو مرحوم نے شہر آنے سے منع کر رکھا تھا اور زمینوں ہی پر رہنے کا حکم دیا تھا۔ جمال اور کمال وہاں موجود تھے، انھی نے ہمیں بلایا۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو والد صاحب پر بے ہوشی طاری تھی۔

کلیم: اور ہاں، ہمیں تو آخر وقت میں ان سے بات کرنے کی بھی حسرت ہی رہی۔

سیٹھ: وہ تو جب انھوں نے جمال اور کمال کو وصیت کرنی شروع کی تھی تبھی میں سمجھ گیا تھا کہ اب چل چلاؤ ہے۔

حلیم: اچھا! آپ کے سامنے خوب باتیں کر رہے تھے؟

سیٹھ: باتیں! اُنھوں نے تو وہ پیٹی کو بھی خود ہی کھولا تھا جس میں دس ہزار اشرفیاں رکھی تھیں اور میرے ہی سامنے دونوں کو ہدایت کی تھی کہ چاروں بھائی برابر برابر بانٹ لینا۔

حلیم: (کلیم کی طرف دیکھتے ہوئے) ایسی کسی رقم کا ذکر تو اُن دونوں نے ہم سے نہیں کیا۔
سیٹھ: بھئی! معاف کرنا۔ میں بھی کیا نادان ہوں، خواہ مخواہ آپ کے خاندانی معاملات کا ذکر لے بیٹھا۔
حلیم: دراصل والد صاحب نے زندگی ہی میں ہم میں سے ہر ایک کو الگ الگ حصہ دے دیا تھا۔ مجھے باغ دلوادیا تھا، انہیں زمین دلادی تھی، جمال کو رفت کا کارخانہ لگوادیا تھا اور کمال کو دواؤں کی دکان کرادی تھی۔ اسی وقت سے وہ دونوں شہر میں رہتے ہیں اور ہم لوگ یہاں۔ ان اشرفیوں کا مرحوم نے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔
سیٹھ: میاں تم بزرگوں کو نہیں جانتے۔ وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ رقم چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ آخیر عمر میں اولاد کی محتاجی نہ ہو۔
کلیم: بھائی صاحب! آپ کو یاد ہوگا، اباجان مرحوم ہمیشہ ایک ٹیچی اپنے پاس رکھتے تھے۔
حلیم: اُس میں تو اُن کے وظائف وغیرہ کی کتابیں رہتی تھیں، مگر ممکن ہے یہ رقم بھی اُسی میں ہو۔
کلیم: (سیٹھ سے) ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی اٹیچی تھی نا؟
سیٹھ: ہاں، کچھ ایسی ہی تھی مگر میں نا حق یہ بات زبان پر لایا، مجھے معلوم ہوتا کہ یہ بات کھلی نہیں ہے تو میں ہرگز اسے زبان پر نہ لاتا۔ میرے لیے تو تم چاروں برابر ہو، چاروں میرے دوست سائیں عبداللہ کی اولاد ہو۔ بھائی مجھے لڑائی جھگڑے سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ ہمیشہ ایسے قصّوں سے دُور رہتا ہوں۔
کلیم: آپ بے فکر رہیں، ہم آپ کا نام نہیں لیں گے۔
سیٹھ: آپ دونوں کو قسم ہے جو میرا نام لیں۔ میرا تو خیال تھا کہ وہ دونوں آپ کا حصہ دے چکے ہوں گے مگر بھائی پیسہ بری چیز ہے اسے دیکھ کر اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔
حلیم: ہم لوگ جمال اور کمال کو ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ خیر یہ پیسے تو ہم وصول کر کے چھوڑیں گے۔
سیٹھ: مجھے اُمید ہے وہ لوگ آپ کا حصہ دے دیں گے۔ ویسے آپ کا حق دلانے کے لیے اگر مجھے عدالت تک بھی جانا پڑے تو میں جاؤں گا۔ مگر ابھی اُن دونوں سے میرا نام نہ لیجیے گا۔
کلیم: نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ آپ نے تو ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ دس ہزار کی رقم کوئی معمولی بات ہے!
سیٹھ: ور عدالت میں جانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ آپ لوگ اگر ایک آدمی بھیج دیں گے تو وہی دکان اور کارخانے کو آگ لگا آئے گا۔ مگر میاں کوشش کرنا کہ معاملہ طے ہو جائے۔ بہرحال وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اچھا میں چلتا ہوں۔
حلیم: نہیں صاحب! ایسے کیسے چلتا ہوں، نہ چائے نہ ٹھنڈا۔

سیٹھ: نہیں نہیں ابھی نہیں - ابھی ذرا دکان پر گاہک بیٹھے ہیں- آپ کی رقم مِل جائے تو مٹھائی کھانے آؤں گا- (سیٹھ چلا جاتا ہے-)

کلیم: بھائی صاحب! مُعاملہ ابھی تازہ ہے کل ہی شہر چل کر دونوں سے بات کرنی چاہیے- وہ تو مُطمئن ہوں گے کہ ہمیں اس رقم کا علم ہی نہیں- بس صُبح ہی چلیے-

تیسرا منظر

(جمال کا ڈرائنگ روم)

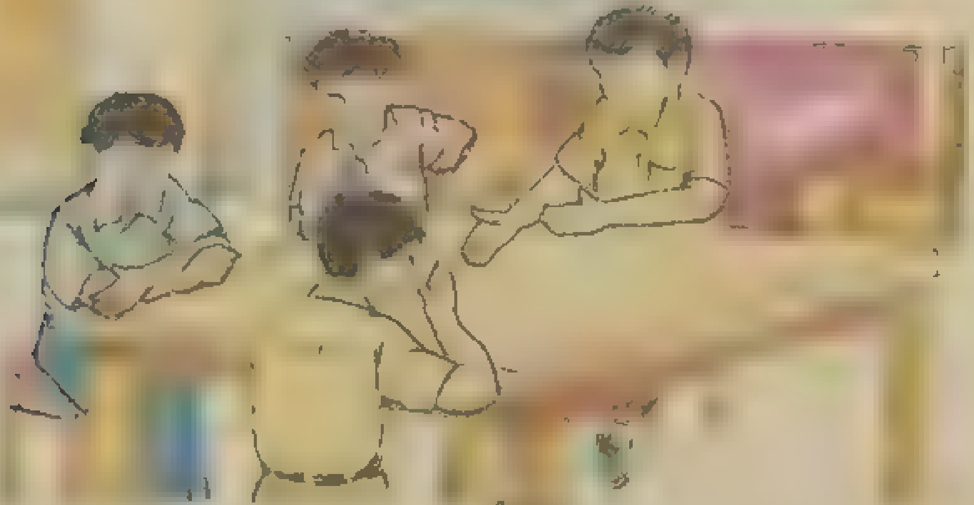
(حلیم، کلیم، جمال اور کمال بیٹھے تیز تیز گفتگو کر رہے ہیں)

جمال: مُعاف کیجیے حلیم بھائی، ہم اس چکّر میں آنے والے نہیں ہیں- ہمیں پہلے ہی معلُوم ہو گیا تھا کہ آپ دیگچی والی رقم ہضم کرنے کے لیے یہ اَشرفیوں کا ڈراما رچائیں گے-

حلیم: دیگچی کیسی؟

کمال: جی ہاں! آپ کو دیگچی کا حال کیا معلُوم، وہ تو ہماری کھٹرونچی کے نیچے سے نکلی تھی نا؟ بہتر یہ ہے کہ آپ دیگچی والی رقم میں سے نصف ہم دونوں کے حوالے کر دیں-

کلیم: میاں! ہوش کی دوا کرو یہ کیا اتنی دیر سے دیگچی دیگچی کی رٹ لگا رکھی ہے- سیدھی طرح اُن اَشرفیوں کا حساب کرو جو والد صاحب نے اسپتال میں تمھارے حوالے کی تھیں-



جمال: وہ آپ کو دی ہوں گی- ہمیں تو اُن کا کوئی علم نہیں-

حلیم: جی نہیں، آپ ہی کو نہیں ہم تک کو خُوب علم ہے- ہمیں ایک ایسے مُعتبر شخص نے یہ بات بتائی ہے

جو اشرفیاں دیتے وقت خود وہاں موجود تھا۔

کمال: مجھ سے پوچھیے وہ معتبر آدمی کون تھا؟ وہ شیطان تھا جس نے آپ کو دیگچی والی رقم ہضم کرنے کے لیے اشرفیوں کا الزام لگانے کی ترکیب بتائی ہے۔ آپ سمجھتے ہیں ہم لوگ شہر میں بے خبر بیٹھے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے گاؤں میں ہمارے کچھ ہمدرد موجود ہیں جنھوں نے زمین میں گڑی ہوئی دیگچی نکلنے کی ساری کیفیت ہمیں لکھ بھیجی ہے۔

حلیم: لکھ بھیجی ہے! گویا تمھیں کسی کا پرچہ ملا ہے؟

جمال: کچھ بھی ملا ہو۔ بہرحال ہمیں سارا حال معلوم ہو گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ وہ رقم کھانے کے لیے اشرفیوں کا بہانہ بنائیں گے۔

حلیم: (اس طرح سر ہلاتا ہے گویا بات سمجھ میں آ گئی ہے) الحمدللہ میں سارا معاملہ سمجھ گیا۔

کلیم: کیا معاملہ سمجھ گئے۔

کمال: کوئی اور ترکیب سوجھی ہو گی دیگچی ہضم......

حلیم: (ڈانٹ کر بات کاٹتے ہوئے) بات سنو! جماں تمھیں وہ پرچہ بدھو دے گیا تھا نا؟

جمال: میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا مجھے اللہ کی قسم دلائی گئی ہے۔

حلیم: بس میں چپکی ڈال جمالو دور کھڑی، وہ تو ہمیں بھی دلائی گئی ہے۔ لیکن میں نام لیے بغیر بتاتا ہوں کہ جس نے تمھیں دیگچی والی غلط بات لکھی ہے اس نے ہمیں بتایا تھا کہ ابا جان مرحوم نے تم لوگوں کو ہم چاروں کے لیے اشرفیاں دی تھیں۔

کلیم: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ وہ شخص اس قدر فریبی ہے۔

کمال: آپ پوری بات کہیے۔

حلیم: ہاں ہاں پوری بات کر رہا ہوں۔ وہ شخص جس روز تعزیت کے بہانے ہمیں بہکانے آیا تھا اسی روز عصر کے وقت اس کا ملازم مجھے بس سٹاپ پر ملا تھا کہ رہا تھا کہ جمال میاں کو تعزیتی پرچہ دینے جا رہا ہوں۔

کلیم: یہی تو میں کہتا تھا کہ جو شخص ابا جان کی زندگی میں کبھی ان سے نہ ملا اُن کے جنازے تک میں شریک نہ ہوا۔ اُسے ہم دونوں سے ایک دم ایسی ہمدردی کیوں کر ہو گئی۔

جمال: حلیم بھائی آپ نے بالکل بجا فرمایا، ایک ہی شخص ہے جس نے ہمیں اور آپ کو بہکایا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔

کمال: میں آپ دونوں سے اپنی نالائقی کی معافی مانگتا ہوں میں آپ سے نہ معلوم کیا کیا کچھ کہ گیا ہوں۔

جمال: اور میں بھی، اوّل آپ بڑے بھائی دوسرے مہمان اور میں اس قدر بد تمیزی سے پیش آیا۔
حلیم: ارے نہیں بھئی تم نے جو کچھ کہا وہ غلط فہمی کی وجہ سے کہا۔ مجھے تو خود افسوس ہے کہ میں نے تم لوگوں کے بارے میں بدگمانی سے کام لیا۔
کلیم: بھئی تم دونوں مجھ سے چھوٹے ہو لیکن بدگمانی کی تو میں بھی معافی مانگتا ہوں۔ اپنے اتنے اچھے بھائیوں کے بارے میں، میں نے ایسا کیوں سوچا! (گھنٹی کی آواز)
جمال: تشریف لائیے۔ (سیٹھ داخل ہوتا ہے)
سیٹھ: (گھبرا کر چاروں کو دیکھتے ہوئے) معاف کیجیے میں پھر آؤں گا۔ (جانے کے لیے مُڑتا ہے)۔
حلیم: سیٹھ صاحب! سُنیے تو، ارے ایسی بھی کیا جلدی آپ تو رک ہی نہیں رہے۔ اچھا تو چلتے چلتے ایک بات تو سُنتے جائیے۔ ایک مختصر سی بات۔
سیٹھ: (دروازے پر رک کر) کیا؟
حلیم: یہ کہ ہم ایک ہیں (سیٹھ گھبرا کر دُوسرے بھائیوں کو دیکھتا ہے)
کلیم، جمال اور کمال: ہاں ہم ایک ہیں۔ (سیٹھ تیزی سے کمرے سے نکل جاتا ہے)
(پردہ گرتا ہے)

مشق

۱۔ سائیں عبداللہ کیسا آدمی ہے؟
۲۔ چاروں بھائیوں میں غلط فہمی کیوں پیدا ہوئی؟
۳۔ سیٹھ کی سازش کس طرح ناکام ہوئی؟
۴۔ آپ کے خیال میں سیٹھ، جمال سے کیا کہنے آیا تھا؟
۵۔ سیٹھ کی چال کامیاب ہوجاتی تو کیا ہوتا؟
۶۔ ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے: جُنگل - وَصِیَّت - قدم ڈگمگا جانا - ہَضم کر جانا - مرحُوم۔

"ڈراما" اس قصے، کہانی یا حکایت کو کہتے ہیں جس کو کئی کردار اور مختلف مناظر (سین) کے ذریعے مکالماتی (ڈائیلاگ) انداز میں لکھا یا پیش کیا جاتا ہے۔

۷۔ آپ اپنے اسکول کی لائبریری سے کوئی ڈرامے کی کتاب لے کر پڑھیے۔

دُعا

لَب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خُدایا میری

دُور دُنیا کا مرے دَم سے اَندھیرا ہوجائے
ہَر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہوجائے

ہو مرے دَم سے یُوں ہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صُورت یارَب!
عِلم کی شمع سے ہو مجھ کو محبّت یارب!

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دَردمندوں سے، ضعیفوں سے، محبّت کرنا

مرے اللہ بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

علامہ محمد اقبالؒ

مشق

۱۔ چمن کی زینت کس چیز سے ہوتی ہے؟
۲۔ پروانے کو شمع سے محبت ہوتی ہے، بُلبل کو گل سے، آپ بتائیے طالب علم کو کس چیز سے محبت ہوتی ہے؟
۳۔ نیچے دیے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
دُعا - تمنا - شمع - اُجالا - پھول۔
۴۔ اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ۔
منظور شدہ: وزارتِ تعلیم (شعبۂ نصاب) اسلام آباد، بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبۂ سندھ
قومی کمیٹی برائے جائزۂ کتبِ نصاب کی تصحیح شدہ

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد　　کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام　　قوتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت　　پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچمِ ستارہ و ہلال　　رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال　　جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

سلسلہ وار نمبر		پبلشر کوڈ نمبر 1	
ماہ و سالِ اشاعت	ایڈیشن	تعداد	قیمت
فروری 2003ء	دوئم	15,000	28.50